تعلیماتِ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں

تاریخِ اسلام

مجموعۂ تقاریر

حجۃ الاسلام علامہ مرزا محمد اطہر (انڈیا)

تاریخِ اسلام

تعلیماتِ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں

مجموعۂ تقاریر

علامہ مرزا محمد اطہر صاحب قبلہ (انڈیا)

مرتبہ

مولانا ندیم عباس حیدری علوی

پیش کش

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

—— ناشر ——

ادارہ منہاج الصالحینؑ

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

فون: 35425372

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

کتاب : تاریخِ اسلام

تقاریر : علامہ مرزا محمد اطہر صاحب قبلہ (انڈیا)

مرتب : مولانا تکریم عباس حیدری علوی

نظر ثانی : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

پروف ریڈنگ : ملک ابرار حسین میثم حیدری - فخر عباس حیدری

اشاعت : ستمبر 2010ء

صفحات : 160

ہدیہ : [redacted] روپے

ملنے کا پتہ

اِدارہ مِنہاجُ الصّالِحِین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

ترتیب

مجلس اول	4
مجلس دوم	16
مجلس سوم	35
مجلس چہارم	51
مجلس پنجم	67
مجلس ششم	80
مجلس ہفتم	97
مجلس ہشتم	112
مجلس نہم	124
مجلس دہم	140

maablib.org

مجلسِ اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

ارشادِ اقدس ربّ العزت ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

چودہ سو برس اسلام کو گزر گئے ہیں۔ ان چودہ سو برس میں سب سے زیادہ شدید ضرورت آج یہ ہے کہ اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھا جائے اور سمجھایا جائے۔

ہر زمانے میں ضرورت تھی، ایسی بات نہیں ہے کہ نہیں تھی، لیکن شاید آج کی دنیا میں زمانے کے بدلنے کے ساتھ، وسائل کی زیادتی کے ساتھ، جو دنیا کے حالات ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے زیادہ ضروری ہے کہ اسلام کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھا بھی جائے کہ اسلام کیا ہے؟ اور سمجھایا بھی جائے کہ اسلام کیا ہے؟

اسی چیز کو سمجھنے کے لیے ہمیشہ تاریخ کا سہارا لیا گیا ہے۔ اگر آپ کو ہندوستان کو سمجھنا ہے تو آپ ہندوستان کی history پڑھیں۔ اگر آپ کو انگلینڈ کو سمجھنا ہے تو آپ انگلینڈ کی history پڑھیں گے اور اگر آپ کو عربستان کو سمجھنا ہے تو آپ عرب کی history پڑھیں۔

تو دستور سمجھنے کا یہ ہے کہ کسی چیز کو سمجھنے کے لیے ہمیشہ اگر کوئی آدمی سمجھنا چاہتا

ہے تو وہ history کا سہارا لیتا ہے۔

اسلام کو بھی لوگوں نے اس کی history کے ذریعے سمجھا، مگر بدنصیبی ہے اسلام کی history میں، کئی ایسی چیزیں آ گئیں جس نے اسلام کو بجائے نیک نام کرنے کے بدنام کر دیا۔

اور یہ بات آج کی نہیں ہے، یہ بات برسوں پہلے کی ہے لیکن آج کی دنیا چونکہ research (تحقیق) کے سلسلے میں زیادہ active ہے، لہٰذا یہ بات آج گھوم گھوم کے تیزی کے ساتھ سامنے آتی ہے۔

میری کوشش یہ ہے اور میرا مقصد یہ ہے کہ میں ان مجلسوں میں، جو میں یہاں پڑھوں گا، اگر اللہ نے چاہا اور حیات نے ساتھ دیا، تو میں اسلامی تاریخ آپ کو سناؤں گا، لیکن اسلامی تاریخ، کون سی تاریخ؟ —— "اسلامی تاریخ آلِ رسولؐ کی تعلیمات کی روشنی میں"۔

اس لیے کہ وہ history جو اسلام کی لکھی گئی وہ ملوکیت اور سلطنت کی روشنی میں لکھی گئی اور وہ تاریخ جو ملوکیت اور سلطنت کی روشنی میں لکھی جاتی ہے، اس سے آپ صحیح تصویر مذہب کی نہیں سمجھ سکتے۔ مذہب کو سمجھنے کے لیے، مذہبی کرداروں کے ذریعے مذہب سمجھئے تو مذہب سمجھ آئے گا ورنہ مذہب نہیں سمجھ آئے گا۔

بادشاہوں کے ذریعے اگر مذہب سمجھنے کی کوشش کی گئی تو اس میں سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مزاجِ حکومت یہ ہے کہ جو ہم کر رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ اب وہ اپنے صحیح ہونے کے لیے بہانے تلاش کرتے ہیں، عذر ڈھونڈتے ہیں اور اپنے غلط کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایسے لوگوں کا سہارا لیتے ہیں جو دیکھنے میں مذہبی ہوتے ہیں، اندر سے بکے ہوتے ہیں۔

تو بکے ہوئے لوگوں کا سہارا لے کر وہ اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کی

کوشش کرتے ہیں تا کہ عوام الناس میں وہ بدنام نہ ہوں۔ یہ کام جب ہوتا ہے تو یہ تاریخ میں لکھا بھی جاتا ہے۔ اس کا تذکرہ کتابوں میں بھی ہوتا ہے۔ ہر آدمی کی بادشاہت، حکومت ہمیشہ رہتی نہیں ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن سو برس کے بعد، دوسو برس کے بعد، پانچ سو برس کے بعد، آٹھ سو برس کے بعد جب کوئی ریسرچ اسکالر اس کو پڑھتا ہے تو کہتا ہے: اسلام میں ایک نظریہ یہ بھی ہے فلاں عالم نے ایسا لکھا تھا، فلاں بادشاہ نے ایسا کیا تھا۔ وہ سراسر خلاف اسلام ذمہ جا رہا ہے اسلام کے۔

غور فرمایا آپ نے ــــــ!

تو یہ چیز جو ہے History of Islam میں پڑھنا چاہتا ہوں مگر History of Islam آلِ محمدؑ کی تعلیمات کے مطابق ہونا چاہیے۔ اور تاریخ ہمارے پاس نہیں ہے۔ تاریخ ہمیشہ حکومت لکھواتی ہے اور یہ حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ تاریخ لکھوائے۔ حکومت کبھی بھی ہمارے حق میں نہیں رہی۔

اسلام میں جو پہلی حکومت قائم ہوئی وہ بنو اُمیہ کی حکومت تھی اور بنو اُمیہ کی حکومت نے جو تاریخ لکھی وہ سراسر خلاف اسلام کی تاریخ تھی، جو اسلام کے سر تھوپی گئی۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ جو صحیح تاریخ ہے وہ دنیا کے سامنے پیش کی جائے اور ہمارے بچوں اور نوجوانوں کے سامنے پیش کی جائے کہ صحیح History of Islam جو ہے وہ کیا ہے اور صحیح معنوں میں اسلام کیسا مذہب ہے اور اس کی teaching اور اس کی تعلیمات اور اس کے سبق جو ہیں وہ کیا ہیں۔

اس لیے کہ یہ بات میں آج آپ کی خدمت میں عرض کر دوں اور اس کو آپ بڑی توجہ سے غور سے سنیں:

دیکھیے ــــــ!

تاریخ سے ہمیشہ وہ کام لیجیے جو جس کا کام ہو، جو جس کا کام ہے وہ کام اس سے لیجیے، اور جو جس کا کام نہیں ہے اس سے آپ وہ کام لیجیے تو ہمیشہ کام خراب ہوگا۔

ایک مکان بنتا ہے تو ایک کارپینٹر کا کام ہے کہ جتنا بھی لکڑی کا کام ہے وہ کرے اور پلمبر کا کام یہ ہے کہ جتنا واٹر سپلائی کا کام ہے وہ کرے۔

اب آپ پلمبر سے لے رہے ہیں کارپینٹر کا کام اور کارپینٹر سے لے رہے ہیں پلمبر کا کام، تو گھر جو ہے وہ آپ کا صحیح نہیں بن پائے گا۔

جو جس کا کام ہے اس سے لیجیے۔ تاریخ کا کام ہے تاریخ بتانا، تاریخ کا کام کردار بتانا نہیں ہے۔

دیکھیے ___!

اکبر کس تاریخ میں تختِ حکومت پر بیٹھا ہے؟ یہ تاریخ سے پوچھیے۔ بالکل صحیح جواب ملے گا اور تاریخ ہی بتائے گی، کوئی اور نہیں بتائے گا۔

تاج محل کس نے بنوایا؟ کب بنا؟ کتنے دن میں بنا؟ تاریخ سے پوچھیے۔ یہ تاریخ کا کام ہے۔ تاریخ بالکل صحیح صحیح بتائے گی لیکن اکبر کیسا آدمی تھا؟ ٹیپو سلطان کیسا انسان تھا؟ سراج الدولہ کیسا شخص تھا؟

آپ تاریخ سے کردار کی معلومات نہ لیجیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ لکھنے والے کا ایک مذہب ہوتا ہے۔ تاریخ لکھنے والے کا ایک نظریہ ہوتا ہے۔ تاریخ لکھنے والا جس زمانے میں تاریخ لکھ رہا ہوتا ہے اس زمانے میں کوئی حکومت ہوتی ہے، اس حکومت کے کچھ خیالات ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں جو ہیں یہ مورخ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سچائیاں چھپ جاتی ہیں اور جھوٹ سامنے آ جاتا ہے۔ تو تاریخ سے تاریخ کا کام لیجیے، تاریخ سے کردار نگاری کا کام نہ لیجیے۔

اسلام کے اندر یہ ہُوا ہے کہ تاریخ سے کردار نگاری کا کام لیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جو جس کی طرف داری میں تھا اس نے اس کے حساب سے لکھنا شروع کیا ہے اور اس کے نتیجے میں کردار جو ہے وہ بگڑ بگڑ کر سامنے آئے۔

لہٰذا اگر صحیح معنوں میں اسلام کو سمجھنا ہے، اور صحیح معنوں میں دین کو سمجھنا ہے تو ہم ان لوگوں کے کردار کی روشنی میں اسلام کو پیش کرنا چاہیں گے، جن کو اللہ نے دین کا رہبر بنا کر بھیجا، جن میں پہلی شخصیت حضورؐ سرورِ کائنات کی ہے ـــــ (صلوٰۃ)

اور اس کے بعد پھر ان کے وہ لوگ کہ جو ان کی گود میں پلے، جنھوں نے ان کی زبان چوسی، جو ان کے سینے پر سوئے اور جو ہر وقت ان کے قریب رہے وہ بتائیں گے کہ اسلام کیا ہے!

اور پھر یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے نہ کبھی دولت کی تمنا کی، نہ حکومت کی تمنا کی، نہ اقتدار کی تمنا کی، تو ان کے کردار کے ذریعے اصلی اسلام جو ہے وہ سمجھ میں آئے گا۔

پہلے رسولؐ کو سمجھیں گے اور پہلی ہماری، آپ کی گفتگو سیرت رسولؐ پر ہوگی۔ کوشش کرنا میرا کام ہے، کامیاب ہوں گا یا نہیں ہوں گا، یہ نہیں کہہ سکتا میں، لیکن میری کوشش یہ ہے کہ میں اسلامی تاریخ حضورؐ سرورِ کائنات کی ولادت سے لے کر حضرت امام حسینؑ کی شہادت تک پیش کروں۔

اس لیے کہ یہ اتنا بڑا سمندر ہے کہ History of Islam دس دنوں میں کون پڑھ سکتا ہے اور کون سنا سکتا ہے، لہٰذا میں نے اس میں سے تھوڑا سا حصّہ لیا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت تک، تو اس کے اندر میں کوشش کروں گا کہ میں آپ کو تاریخ اسلام سے آگاہ کروں۔

لیکن اس حصے کی اہمیت یہ ہے کہ اگر اس history کو آدمی سمجھ لے گا تو اگلی پچھلی دونوں تاریخیں اس کی سمجھ میں آجائیں گی، جو بعد کے واقعات ہیں وہ بھی سمجھ میں آجائیں گی، جو بعد کے واقعات ہیں وہ بھی سمجھ میں آجائیں گے۔ جو پہلے کے واقعات ہیں وہ بھی سمجھ میں آجائیں گے، اور اس زمانے کے واقعات ہیں وہ بھی سمجھ میں آجائیں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنی عمارت بنی ہے آج جو پورا عالم ہے اسلام میں، نظریات کا، عقائد کا، ماننے، نہ ماننے کا، محبت کرنے یا محبت نہ کرنے کا، ان سب کے فاؤنڈیشن جو ہیں وہ اسی زمانے میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ رسولؐ خدا بھی اسی زمانے میں تھے، اہلِ بیتؑ بھی اسی زمانے میں تھے، پنجتنؑ بھی اسی زمانے میں تھے، خلفائے راشدین بھی اسی زمانے میں تھے، اصحاب کرام بھی اسی زمانے میں تھے۔ ازواج رسول بھی اسی زمانے میں تھیں۔ سب کچھ اسی زمانے میں تھا، لہٰذا اگر وہ زمانہ اچھی طرح سے سمجھ میں آجائے تو پورا اسلام آئینہ ہو کر سمجھ میں آجائے گا۔ جتنے عقیدت کے مرکز ہیں، جتنے محبت کے مرکز ہیں، جو کچھ، جس کو جس سے محبت ہو، جس کو جس سے عقیدت ہو، وہ ایک الگ مسئلہ ہے، لیکن سب کا جو بنیادی مرکز ہے وہ یہی ہے۔

تو آغاز سرور کائنات کی ذات سے ہوگا اور اختتام شہادتِ امام حسینؑ کی ذات تک ہوگا۔ اب اس کے اندر تاریخ کے کون سے up and downs ہیں، تاریخ کے کون سے واقعات ہیں کہ جس کے اندر ہم اختلاف رکھتے ہیں؟

تو سب سے پہلی چیز، تو یہ میں بات آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ اسلام نہ تو کسی کی ضد میں آیا، نہ کسی کی بحث میں آیا، نہ کسی کی مخالفت میں آیا، اسلام کو لوگ دینوں کی فہرست میں لا کھڑا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں: ہمارا یہ مذہب ہے،

تمھارا یہ مذہب ہے، اُن کا یہ مذہب ہے، اِن کا یہ مذہب ہے۔ یہ فلاں کے ماننے والے، یہ فلاں کے ماننے والے۔ آپ نے اسلام کے صحیح تصور کو سمجھا ہی نہیں ہے، اس لیے آپ اسلام کو اس طرح لے آئے، مذہبوں کی فہرست میں کہ یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، یہ اسلام ہے۔

اسلام کو اس اینگل (زاویے) سے اگر آپ دیکھیں گے تو بڑی اُلجھن میں پڑ جائیں گے اور کبھی بھی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔

اسلام کیا ہے؟ اس کو آپ مذہب کہہ لیجیے، دین کہہ لیجیے، جو چاہے کہہ لیجیے لیکن اصلاً اسلام جو ہے، وہ بیمار انسانیت کی دوا ہے۔ انسانیت بیمار تھی، اور اگر کسی کا بچہ بیمار ہو تو باپ کا یہ فرض ہے، ماں کا یہ فرض ہے کہ اس کا علاج کرے، اس کو بیماری کے عالم میں نہ چھوڑ دے۔

جس طرح جسم میں انسانی بیماریاں ہوتی ہیں، اسی طریقے سے انسانیت میں بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔ اب ہمارے جسم کی بیماریاں سب کو معلوم ہیں، لیکن انسانیت کی بیماریوں میں غرور، تکبر، اپنے کو بڑا سمجھنا، دوسرے کو چھوٹا سمجھنا، طاقت کے زور پر کمزور کو دبانا، انسان کو انسان نہ سمجھنا، ظلم کرنا، ناانصافی کرنا، جھوٹ بولنا، یہ تمام بیماریاں انسانیت کی بیماریاں ہیں۔

اب اگر ملاحظہ کریں اس عرب سماج کو جس میں سرورِ کائنات ؐ تشریف لائے تھے تو وہ بیماریوں کا مجموعہ تھا۔ اس کے اندر کسی کا کوئی حق نہیں تھا، صرف طاقتوروں کے پاس اور جتھے والوں کے پاس سارے حقوق محفوظ تھے۔ غلام آدمی تھے، خدمت کی مشینیں تھیں۔ عرب سردار کا گھوڑا مر جائے تو اس کو صدمہ ہوتا تھا لیکن اگر دس غلام کالے مر جائیں تو اتنا صدمہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ قربان کر دیتا تھا اپنے ایک ریس کے گھوڑے پر دس کالے غلاموں کو۔

عورتوں کی کوئی عزت نہیں تھی سماج میں، وہ بالکل بے عزت تھیں۔ زبان کی بنیاد کے اُوپر اتنا غرور تھا کہ جو اُن کی زبان نہ بول رہا ہو، اس کو گونگا کہا جاتا تھا۔ اس کے منہ میں زبان ہی نہیں قبول کی جاتی تھی۔

ایسی بیمار انسانیت کے واسطے، جو چیز آئی اس کا نام اسلام تھا۔

ہمیں جو کفار سے جھگڑا ہے، اور ہمیں جو مخالفین اسلام سے جھگڑا ہے اور ہمارا جو دشمنانِ رسولؐ سے جھگڑا ہے، وہ ذاتی جھگڑا نہیں ہے۔ وہ تو اس بات کے اُوپر جھگڑا ہے کہ ایک ڈاکٹر نے جب انسانی بیماریوں کی دوا دریافت کی تو کچھ لوگوں نے آ کر اس دوا کو برباد کرنا چاہا تو ہمیں اس لیے مخالفت ہے کہ یہ انسانیت کے دشمن ہیں، جو اس دوا کو برباد کر رہے ہیں، جس سے کینسر اچھا ہو جائے، جس سے ٹی بی کا مریض اچھا ہو جائے، جس سے ایڈز کا مریض ٹھیک ہو جائے، جس سے دل کا مریض ٹھیک ہو جائے۔

تو اصل جھگڑا جو ہے وہ اس بات کا ہے انسانیت دشمنی، محمدؐ دشمنی شخصی دشمنی نہیں ہے بلکہ محمدؐ دشمنی انسانی دشمنی ہے۔ اور یہی معاملہ آلِ محمدؐ کا بھی ہے۔ آلِ محمدؐ کے دشمنوں سے جو عداوت ہے وہ ذاتی محبت کی بنیاد پر نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ دوا جاری رہتی تو آج انسانیت بیمار نہ ہوتی۔

یہ آج انسان انسان کے خون کا پیاسا ہے، اور انسان انسان کو دیکھ کر ڈر رہا ہے اور لوگ ہر جگہ اپنی جان کو غیر محفوظ محسوس کر رہے ہیں، زمین کے نام پر، ملک کے نام پر، پانی کے نام پر، رنگ کے نام پر، نسل کے نام پر، جھگڑے ہو رہے ہیں۔

اگر وہ تعلیمات جو رسولؐ اور آلِ رسولؐ نے دیے تھے وہ نگاہوں کے سامنے ہوتے تو یہ جھگڑے نہ ہوتے، تو بنیادی جو پریشانی ہے وہ یہ ہے کہ جنھوں نے رسولؐ اور آلِ رسولؐ کو چھوڑ دیا، انھوں نے انسانیت کو نقصان پہنچایا، اور انسانیت کو نقصان

پہنچایا، کاہے کے لیے؟ صرف اپنے عیش و آرام کے لیے، صرف بادشاہت اور حکومت کی تمنا کے لیے، لہٰذا ہمارا ان سے اختلاف ہے، ورنہ اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور عزیزان گرامی ــــــ!

یہی وہ منزل ہے جس کی وجہ سے آج ہر زبان پر کربلا ہے، کربلا کو، کوئی مذہب کے اینگل سے دیکھتا ہے، کوئی محبت کے اینگل سے دیکھتا ہے، کوئی عقیدت کے اینگل سے دیکھتا ہے، کوئی فرقہ پرستی کے اینگل سے دیکھتا ہے، کوئی کسی اینگل سے دیکھتا ہے۔ کوئی جائز و ناجائز، بدعت و سنت، صحیح و غلط، اس اینگل سے کہ اس میں جھگڑے پیدا کیے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ نہیں ہے، یہ تو بیمار انسانیت کی ایک دوا ہے۔ جس کا نام کربلا ہے، جو انسان کو یہ بتاتی ہے کہ اسلام کیا ہے!

عزیزان گرامی ــــــ!

دنیا میں انقلابات کربلا سے پہلے بھی آئے، اور انقلابات کربلا کے بعد بھی آئے۔ نہ کربلا کا انقلاب پہلا انقلاب تھا، اور نہ کربلا کا انقلاب آخری انقلاب تھا۔ انقلاب حسینؑ کی خوبی یہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے اس کے اندر جتنی انسانی جانیں ضائع ہوئیں، سب سے کم جانیں کربلا میں ضائع ہوئیں، جن کی تعداد سو تک بھی نہیں پہنچتی۔ اب سے کم کیا سوچے گا؟

تو ایک خصوصیت انقلاب حسینؑ کی یہ ہے کہ اس کے اندر minimum انسانی خون استعمال ہوا ہے۔ جہاں تک خون استعمال ہونے کی بات ہے، سو تک تعداد نہیں پہنچتی، بہتّر پر آ کر رک جاتی ہے۔ جہاں تک اثر کا سوال ہے، چودہ سو برس سے آج تک تابناک ہے!

جب کسی جگہ کوئی رنگ چڑھایا جاتا ہے، چاہے وہ کتنا قیمتی ہی کیوں نہ ہو،

چاہے سونا چڑھا دیجیے آپ گنبدوں اور میناروں پر، تو موسم کی تبدیلیاں، سورج کی کرنیں، ہوا کا دباؤ، بارش کے اثرات، آہستہ آہستہ اس کے رنگ کو مدھم کرتے ہیں۔

یا تو تھوڑے دنوں کے بعد اس پر پالش کریں ورنہ وہ سونا صحیح، رہے گا سونا مگر آپ نے اس پر اگر ہاتھ بھی لگایا تو اس کو کالا کردیں گے، اور سمجھ میں نہیں آئے گا کہ اس پر سونا چڑھا ہوا ہے۔

کربلا کی خوبی یہ ہے کہ ہر بدلتا ہوا زمانہ کربلا کو اور چمکاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اور ایک خصوصیت یہ ہے کہ قیادت بھی قربانیاں دیتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف عوام قربانیاں دے۔ ہر انقلاب میں قیادت کی قربانیاں بھی شامل ہوتی ہیں لیکن امام حسینؑ کے انقلاب میں قیادت کی قربانیوں کا جو پرسنٹیج ہے وہ دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

دنیا کے کسی انقلاب میں قائد کے ۲۵ فی صد افراد نہیں کام آئے ہیں، سوائے کربلا کے۔ یہ میں چیلنج دے رہا ہوں۔ آپ خود پڑھ لیجیے قیادت کے ۲۵ فی صد افراد کہیں بھی کام نہیں آتے ہیں سوائے کربلا کے۔ بہتر کا اگر فی صد نکالیں تو اٹھارہ بنتا ہے آپ حساب لگا کر دیکھ لیں ۱۸ × ۴ برابر ۷۲۔ اٹھارہ آدمی اپنے گھر کے۔

تو عزیزانِ گرامی ـــــ!

تو کیا منہ لے کر جائے گا حسینؑ کے سامنے، اور دنیا میں۔ خدا کی قسم! ایسا کوئی قائد بھی نہیں گزرا، حسینؑ ابن علیؑ جیسا، جس نے عین آخری رات میں، جس کے سویرے معرکہ ہونا تھا، اپنے ساتھیوں کو بلا کر کہہ دیا:

"جہاں دل چاہے چلے جاؤ، میں تمہاری گردنوں سے بیعت اٹھائے لیتا ہوں۔ جب یہ مجھ کو اپنے درمیان پائیں گے اور تم کو جاتے دیکھیں گے تو ڈر کر

راستہ دے دیں گے"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قائد نے یہ بات صاف کردی تھی کہ میں جانے والا نہیں ہوں۔

یہ نکتہ سمجھ لیجیے!

جب یہ مجھے اپنے درمیان دیکھیں گے اور تم کو جاتے دیکھیں گے تو راستہ دے دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ایسا عظیم قائد کوئی دوسرا نہیں گزرا جو بہتر ساتھ لایا تھا۔ ان کی ضرورت بھی اس کو محسوس نہیں ہورہی ہے۔

اور اب جو سویرا ہوا، تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، بہتر کا شرف یہ ہے کہ وہ حسینؑ پہ قربان ہوئے، حسینؑ کی عزت یہ نہیں ہے کہ بہتر کام آجائیں، جو حسینؑ کو چھوڑ کر چلا جاتا وہ اندھیروں میں ڈوب جاتا۔

وہ نہیں گئے، ان پر لاکھوں سلام، بیٹھے رہے، ان پر درود، لیکن آپ یوں سوچئے اگر کوئی چھوڑ کر چلا جاتا تو کیا عزت کا اتنا سا بھی حصہ پاتا؟ تاریخ کے اندھیروں میں بدنامی کے ساتھ اس طرح ڈوبتا کہ نام لینے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔

یہ تھا رسول کا نواسہ، کہا: "جس کا جہاں دل چاہے چلا جائے"۔

وہ اصحاب باوفا تھے، وہ بچے ہیرے تھے، خزانہ امامت کے، وہ کہیں نہیں گئے، وہ آج تک چمک رہے ہیں لیکن اس لیے ہے کہ حسینؑ کے دامن کے ساتھ متمسک ہیں۔

ذکرِ مصائب

پھر محرم آگیا، اور آج حالانکہ چاند کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ چاند رات کل ہوگی، آج یہ مجلس میں ہمیشہ اس لیے پڑھ لیتا ہوں کہ اگر چاند ہوجائے تو چاند رات

کی مجلس ہے، یا کل کو کہیں سے اطلاع آ جائے کہ چاند ہو گیا اور تاریخ تبدیل ہو جائے تو ہماری ایک مجلس کم نہ ہو، لہٰذا یہ مجلس ہم پڑھ رہے ہیں۔

دیکھیے ـــــ!

گھر کے عزاخانے سج گئے، یا حسینؑ! آیئے آپ کے چاہنے والے جمع ہیں۔

یا ابا عبداللہؑ! تشریف لایئے، آپ کے چاہنے والے آنسوؤں کے نذرانے لیے کھڑے ہیں۔ بھوکے پیاسوں کے لیے، یہ آنکھوں کے جام سبیل بنے ہوئے ہیں۔

آیئے، ہم آنسوؤں کے نذرانے پیش کرنے کے لیے حاضر ہیں۔

اے مولاؑ! آفتاب کے سامنے ایک ذرّے کی بھی کوئی حیثیت ہے، ہم آپ کے آفتابِ عظمت کے سامنے ایک ذرّے کے برابر بھی نہیں ہیں۔ ہماری حیثیت اتنی بھی نہیں ہے آپ کے سامنے جتنی آفتاب کے سامنے ایک ذرّے کی حیثیت ہوتی ہے۔ مگر مولاؑ! ہیں صرف آپؑ کے کسی اور کے نہیں ہیں۔ اور جب آپؑ کے غم کے دن آتے ہیں غلاموں اور کنیزوں کی جانیں آپؑ پر نثار ہوں۔ آپؑ کو آپؑ کے بھائی پر رونے نہیں دیا گیا۔ آپؑ کو آپؑ کے بھائی پر ماتم نہیں کرنے دیا گیا۔

آ کر دیکھیے، ابھی محرم کی چاند رات نہیں ہوئی ہے، مگر حسینؑ پر رونے والے جمع ہیں اور حسینؑ کا ماتم ہو رہا ہے۔

اور بس ـــــ!

ایک آواز اور دے کر مجلس تمام کر دوں گا۔ اے رونے کی آرزو میں گھٹ گھٹ کے مر جانے والی سکینہؑ! ذرا قید سے مڑ کر دیکھیے، یہ آپ کے باپ کے ماتم دار جمع ہیں۔ اے بی بی! گھٹ گھٹ کر مر گئیں اور باپ پر ظالموں نے رونے نہ دیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ۱۹)

خداوند عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

''یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے''۔

عزیزانِ گرامی ____!

میں نے کل تھوڑی دیر آپ کی خدمت میں کچھ عرض کیا تھا، آج وہی بات repeat کر رہا ہوں اور وہ یہ کہ میں چاہتا ہوں کہ اِس عشرے میں اسلام کی تاریخ حضور سرورِ کائناتؐ سے لے کر شہادتِ امام حسینؑ تک کو پیش کیا جائے، اس لیے کہ تاریخ نے ہمارے معصوم کرداروں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

اور اسلام کے ساتھ سب سے بڑا دھوکہ یہ ہوا کہ رسولؐ اللہ کے بعد اسلام میں جو پہلی حکومت بنی وہ بنی اُمیہ کی حکومت تھی۔

بنی اُمیہ خاندانِ رسالتؐ کے خاندانی دشمن تھے اور بنی اُمیہ نے اسلام آجانے کے بعد بیس سال تک اسلام کی مخالفت کی، لیکن بعد میں کیا حالات ہوئے کہ وہی اسلام کے رہبر بن گئے، اور وہی مسلمانوں کے قائد بن گئے اور وہی خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کے title لے کر تختِ اقتدارِ اسلامی پر بیٹھ گئے۔ سارے مؤرخ ان کے قبضے میں تھے اس لیے کہ حکومت ان کے پاس تھی، سارے راوی ان کے کنٹرول

میں تھے، اس لیے کہ ان کے پاس دولت تھی، سارے بولنے والے اور لکھنے والے ان کی اطاعت کر رہے تھے اس لیے ان کے ہاتھ میں خون ٹپکتی تلوار تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس زمانے میں جو اسلام کی تاریخ لکھی گئی وہ بعد کے زمانے میں سب سے زیادہ معتبر، اور سب سے زیادہ بھروسے کے قابل مانی گئی۔ اس لیے کہ جو بات قریب ترین زمانے میں ہوتی ہے وہ بعد کے والوں کے لیے زیادہ معتبر ہوتی ہے۔

میرے متعلق میرے بعد اگر کوئی میرے حالات لکھے تو اس کی بات زیادہ معتبر مانی جائے گی جو یہ کہے کہ ہم نے برسوں اطہر صاحب کی مجلس مغل مسجد میں سنی ہے اور ہم نے ان کو دیکھا ہے۔ ہم نے ان سے مصافحہ کیا ہے، ان سے باتیں کی ہیں، بہ نسبت اس کے کہ جو میری مجلسیں پڑھے یا میرے مرنے کے پچیس برس کے بعد یا پچاس برس کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ تصدیق کر کے ریسرچ کر کے لکھے تو اس کی بات اتنی معتبر نہیں مانی جائے گی جتنی ان کی بات معتبر مانی جائے گی جو مجھ سے بالکل قریب ہیں۔

کیونکہ بنی اُمیہ رسولؐ خدا کے سب سے زیادہ قریب تھے، اسلام سے سب سے زیادہ قریب تھے، لہٰذا تاریخ نے ان کی بات کو سب سے زیادہ معتبر مانا اور انھوں نے تاریخ کے ساتھ دھوکہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن سے لے کر آج تک اختلافات پیدا ہیں اور چلے آ رہے ہیں، اور مسلمانوں کے اندر جو اختلافات ہیں وہ انھی نظریات کی بنیاد پر ہیں جو بنی اُمیہ آ کر لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا گئے، اور ان کے دماغوں میں جو چیزیں راسخ کر گئے وہی چیزیں آج تک لوگوں کے دماغوں میں چلی آ رہی ہیں۔

آج زمانہ بدل رہا ہے، آج حالات تبدیل ہو رہے ہیں، آج ہر معاملے میں نئی ریسرچ اور نئی باتیں اُبھرنے کا جذبہ اُبھر رہا ہے۔ پرانی تھیوریاں اگر غلط ہیں تو ان کو کنڈم کیا جا رہا ہے۔ نئی تھیوریاں اگر صحیح ہیں تو ان کو قبول کیا جا رہا ہے۔

انسانی علم جیسے جیسے بڑھ رہا ہے، دنیا اس سے اسی طرح سے فائدہ اُٹھا رہی ہے اور آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں اگر بزرگوں کی کہی ہوئی باتیں اس قابل ہیں کہ ان کو پھر سے غور کیا جائے اس لیے کہ یہ نہیں کہ وہ بُرے تھے، یہ نہیں کہ وہ خراب تھے، یہ نہیں کہ وہ جاہل تھے، اس لیے کہ ان کو وہ سہولتیں اور وہ وسائل حاصل نہیں تھے جو آج کی دنیا کو حاصل ہیں۔

تو ہر چیز جو ہے اس کو دوبارہ سے دیکھ رہے ہیں۔ لوگ اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب زندگی کے ہر علم میں اور زندگی کی ہر فیلڈ میں ہم اجتہاد سے کام لے رہے ہیں، نئی نئی تھیوریاں لا رہے ہیں اور نئی تھیوریوں کے اُوپر عمل کر رہے ہیں۔ میڈیکل سائنس کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ آج کی دنیا میں اب وہ پرانے زمانے کی، دو سو برس اور چار سو برس پہلے کی تھیوریاں جو ہیں وہ سب ختم ہو گئیں۔ اب نئی تھیوریاں ہیں، بلڈنگ بنتی ہے، کہاں سے کہاں پہنچ گئی دنیا، اب وہ پرانی چیزیں ختم ہو گئیں۔ کمپیوٹر کی ایجاد نے دنیا کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اب وہ پرانے طریقے سب دفتر میں کام کرنے کے ختم ہو گئے۔

تو اگر ہم کہیں کہ ہمارے باپ دادا تو قلم ہی سے لکھتے تھے، ہم بھی قلم ہی سے لکھیں گے، ہمارے باپ دادا تو اُونٹ پر چلتے تھے، ہم اُونٹ ہی پر چلیں گے، تو ہم جاہل ہی کہے جائیں گے نا، پڑھے لکھے تو نہیں کہے جائیں گے۔

تو سوال یہ ہے کہ ہر معاملے میں جب باپ دادا کی بات کو، اگر آگے زمانہ بڑھا ہے تو اس کے ساتھ ہم بھی آگے بڑھیں۔ تو مذہبی معاملات میں اگر ہمارے باپ دادا کسی سازش کی وجہ سے غلط فہمیوں کا شکار تھے تو کیا ہم بھی شکار رہیں؟

کیا معاملہ ہے؟ آخر کیوں ایسا ہے؟

آدمی اتنا ظالم کیوں ہو گیا ہے ان معاملات میں تو جب ریسرچ اور تحقیق

انسان کو کسی منزل پر لے جاتی ہے تو آدمی پرانے نظریات بدل دیتا ہے۔ ہمارا بھی عالمِ اسلام سے یہی مطالبہ ہے کہ رسولؐ و اہلِ بیتؑ کے لیے پھر سے غور کرو۔ ہوسکتا ہے پرانی تصویریاں تبدیل ہو جائیں۔ (صلواۃ ـــــ نعرۂ حیدری)

دیکھیے ـــــ!

میں پھر ایک دفعہ آپ کے سامنے اس بات کو دُہرا دوں کہ میرا موضوع اس عشرے کا "تاریخِ اسلام تعلیماتِ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں" یہ ہے موضوع، اس لیے کہ تاریخِ اسلام جو بنی اُمیہ کی نگرانی میں لکھی گئی، یا بنی عباس کی نگرانی میں لکھی گئی، اس تاریخ کو قبول کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس کے اندر بنیادی طور سے بہت سی غلطیاں دکھائی دے رہی ہیں اور ان کے لکھنے والوں میں تعصب ہے۔ ہمارے خلاف انھوں نے کچھ نہیں لکھا ہے، ہم کو بالکل بُرا نہیں کہا ہے۔ ہم تو اس زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوئے تھے کہ جو ہم کو بُرا کہتے، لہٰذا ذاتی عداوت ہماری کچھ نہیں ہے لیکن ہم جن کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کے خلاف لکھا ہے۔

تو یہ مسئلہ نہ میرا مسئلہ ہے، نہ آپ کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کا مسئلہ ہے اور رسولؐ اور آلِ رسولؐ وہ بزرگ ہیں جن کو پورا عالمِ اسلام قبول کرتا ہے اور مانتا ہے۔

تو اگر رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے سلسلے میں کوئی گفتگو ہوتی ہے تو کسی خاندان یا کسی فرقے یا کسی علاقے یا کسی خاص عقیدے کے ماننے والوں کا نہیں ہے بلکہ جو آدمی اپنے کو مسلمان کہتا ہے یہ اس کا مسئلہ ہے، لہٰذا ہم کو ازسرِ نو اس مسئلے پر غور کرنا پڑے گا۔

اب میں آپ کو اپنے بیان کی بنیادی بات عرض کروں، تاکہ اس کے نتیجے

میں میرا ایمان آگے بڑھے گا، حالانکہ آج بالکل پہلی تقریر ہے، اور ظاہر ہے کہ پہلی تقریر میں لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ میں آپ کی اجازت سے ایک آدھ دن کے بعد پھر اس کو repeat کروں گا لیکن آج میں چاہتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے اپنی تقریر کا، پورے دس دن کی مجلسوں کا theme سناؤں کہ ہے کیا مسئلہ؟ کیا چیز مجھے پڑھنا ہے اور کیا چیز مجھے آپ کے سامنے کہنا ہے۔

اس لیے کہ عالمِ اسلام میں ہمارے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان اکثر معاملات میں اختلافات ہیں۔ ایک نظریہ ہمارا ہے جس کو ہمارا دوست نہیں مانتا۔ ایک نظریہ ہمارے دوست کا ہے، اس کو ہم نہیں مان پا رہے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ اور ہمیں جو چیز پیش کرنا ہے وہ کیا ہے؟ اور ابھی تک جو بھی چیز جو تاریخ کے نام پر پیش کی گئی ہے وہ کیا ہے؟ جسے ہم نے چیلنج کرنا ہے اور جس کی مخالفت کرنا ہے ہمیں، وہ کیا ہے؟ اور جو ہم نے پیش کرنا ہے وہ کیا ہے؟ اور جو ہمارا نظریہ ہے وہ کیا ہے؟ اور جو ہمارے دوست کا نظریہ ہے وہ کیا ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ رسولؐ کے لیے عالمِ اسلام میں دو نظریے سامنے آئے: ایک نظریہ وہ جو آلِ رسولؐ نے، اہلِ بیت رسولؐ نے پیش کیا ہے، اور ایک نظریہ وہ جو بنی اُمیہ کے مورخین نے، محدثین نے، مفسرین نے، علماء نے پیش کیا ہے۔

یہ دو نظریے سامنے آئے، یہ دو نظریے آپس میں ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔

بنی اُمیہ کے مورخین نے، محدثین نے، مفسرین نے اور علماء نے جو نظریہ پیش کیا وہ یہ ہے کہ رسولؐ سے خطا ممکن ہے، وہ خاطی ہے، معصوم نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ نمبر ایک، دوسرا وہ خاکی ہے، وہ مٹی کا بنا ہوا ہے، اس کے اندر نورانیت کا تصور نہیں

ہے۔ خاطی ہے یعنی خطا کرسکتا ہے، اور نورانی نہیں ہے اور مادی ہے، اور تیسرے وہ یہاں رہ کر پڑھ لے یہ بات الگ ہے۔ لیکن کہیں سے وہ کوئی علم لے کر آیا نہیں ہے، وہ عالم نہیں ہے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔

تو عالمِ اسلام نے روزِ اوّل جو نظریہ پیش کیا رسولؐ کے تعلق سے، وہ جہل، خطا اور مادیت کا نظریہ تھا۔

دیکھئے ـــــــ!

میں دھیرے دھیرے اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ بات دماغ میں بیٹھ جائے۔

جہل یعنی اَن پڑھ، خاطی، غلطی کرنے والا اور مادی یعنی مٹی کا بنا ہوا، ہمارے جیسا، خاکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ: تاریخ مرتب ہوئی وہ اسی نظریے پر مرتب ہوئی، یعنی جب جاہل ہے تو غلطی اس کا اظہار ہوگا، جب وہ غلطی کرسکتا ہے تو اس کے فیصلوں میں غلطی ہوگی۔ جب وہ ہمارے جیسا مٹی کا بنا ہوا ہے تو جو کیفیتیں ہماری ہیں وہ سب اس پر ہوں گی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ چودہ سو برس سے جو تاریخ چل رہی ہے، اس کے اندر مسلسل ایسے واقعات ملتے ہیں جس میں رسولؐ کی طرف نسبت خطا ہے، جس میں رسولؐ کی طرف نسبت جہل ہے، جس میں رسولؐ کی طرف نسبت ہے اس بات کی کہ وہ ہمارے جیسے ہیں۔ چنانچہ آپ یہ غور فرمائیں کہ اس کے اُوپر بڑی بڑی بحثیں ہیں، جو ہر آدمی جانتا ہے۔

یہ کیوں بحث پیدا ہوئی؟

یہ وہی خاکی نظریے کی وجہ سے بحث پیدا ہوئی ورنہ کیوں پیدا ہوتی۔

کوہِ نور کو تو کوئی نہیں کہتا کہ وہ تو ہمارے گھر میں جو شیشے کا ٹکڑا ہے، اس جیسا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوہ نور کے لیے تو کوئی نہیں کہتا کہ ہمارے گھر میں جو پتھر کا ٹکڑا ہے، پتھر یہ بھی ہے، پتھر وہ بھی ہے، لہٰذا اس کی قیمت پر اس کو بیچو اور اس کی قیمت پر اس کو بیچو، کہیں جھگڑا نہیں ہے دنیا میں۔

تو کوہ نور کے لیے تو کوئی جھگڑا نہیں کرتا ہے کہ پتھر جیسا ہے محمدؐ کے لیے، ہر ایک کہتا کہ بندے جیسا ہے۔

آپ سوچئے تو سہی ــــ!

نورانی ہے کہ مادی ہے؟ عالم ہیں کہ جاہل ہیں؟ چودہ سو برس سے ہو رہی ہے بحث، یہ کون سی مصیبت آئی ہے کہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔

ارے ــــ!

چھوٹے چھوٹے مولوی جو مسجدوں میں نمازیں پڑھاتے ہیں ان کے لیے تو کوئی کہتا نہیں کہ پڑھے لکھے نہیں ہیں جب کہ اصلیت یہ ہے کہ پڑھے لکھے نہیں ہیں اور جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کا سردار ہے وہ پڑھا لکھا نہیں ہے؟

دنیا میں جتنے بھی مذہب کے ماننے والے ہیں، جس جس مذہب کے ماننے والے ہیں، وہ اپنے مذہب کے رہبر کو تھوڑا سا جو اس کا قد ہے اس سے تھوڑا اُونچا کر کے دکھا رہے ہیں، کوئی بندہ ہے اس کو خدا بنائے دے رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ہر مذہب کا دستور یہ ہے کہ جتنا جس کے رہبر کا قد ہے اس سے تھوڑا سا اُونچا کر کے دکھا رہے ہیں۔

یہ نہ جانے کون سی آفت مسلمانوں میں آئی کہ محمدؐ کا جتنا قد ہے، تھوڑا نیچا کر کے دکھانے کی فکر میں ہیں۔

تو عزیزانِ گرامی ــــ!

جو تاریخ لکھی گئی، اور جو تاریخ مرتب ہوئی اس کے اندر نظریہ خطا سامنے

آیا۔ نظریۂ مادیت سامنے آیا، نظریۂ جہل سامنے آیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ لفظیں لوگوں کی سمجھ میں آ گئی ہیں جو میں پڑھ رہا ہوں۔

اسی اصول پر اور اسی قاعدے پر اور اسی دستور پر روایات آئیں، واقعات آئے، کتابیں آئیں، استدلال آئے۔ یہ چیزیں جب ہمارے سامنے آئیں تو ہم نے اعتراض کیا۔ ہم نے کہا: ہم اس کو قبول نہیں کرتے، ہم اس کو نہیں مانتے، ہم اس کو نہیں تسلیم کرتے۔ جب ہم نے کہا: ہم اس کو نہیں تسلیم کرتے تو ہمارے اُوپر غصہ کرنے لگے لوگ۔

چودہ سو برس سے جو ہم عالمِ اسلام کی ناراضگی کا شکار ہیں وہ اسی لیے ہیں۔ یہ کتاب میں لکھا ہے آپ نہیں مانتے۔ فلاں عالم نے لکھا ہے آپ نہیں مانتے۔ فلاں راوی کا قول ہے آپ نہیں مانتے؟

عالمِ اسلام کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ محمدؐ کو چھوڑ کر راوی کا پرستار ہو گیا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

چودہ سو برس سے اس مصیبت میں ہم گرفتار ہیں۔ راوی نے یہ لکھا ہے۔ فلاں روایت میں ہے، فلاں راوی کا یہ قول ہے، فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے، آپ نہیں مانتے، کیسے آدمی ہیں؟

یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی کہ جو راوی نے لکھا اس پر تو جان جا رہی ہے اور جو خدا نے لکھا ہے ادھر توجہ نہیں۔

راوی نے لکھا ہے کہ اَن پڑھ تھے، قبول کر رہے ہیں اور خدا نے لکھا ہے قرآن میں:

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورۂ نساء، آیہ ۱۱۳)

"اے میرے حبیب! ہم نے تمہیں ہر وہ بات تعلیم دے دی جو

تمہیں نہیں معلوم تھی"۔

اسے قبول نہیں کر رہے ہیں۔ اس کی بھی ایک وجہ ہے۔

سمجھ لیجیے ــــــ!

اس کی وجہ کیا ہے؟ اس لیے کہ اگر خدا کا لکھا مانیں گے تو بادشاہ سلامت کے دربار سے عتاب ہوگا۔ راوی کا لکھا مانیں گے تو انعام ملے گا۔

تو عزیزانِ گرامی!

ایک زمانہ وہ تھا کہ درِ اہلِ بیتؑ کو چھوڑ کر اسلام کی تبلیغ نہیں ہو رہی تھی۔ اسلام بک رہا تھا، فروخت ہو رہا تھا۔ (صلوٰۃ)

تو تین نظریے آئے سامنے: ① خطا کا نظریہ ② مادیت کا نظریہ ③ جہل کا نظریہ، ہمیں جو رسولؐ، اہلِ بیتؑ نے بتایا۔

اب آیئے ــــــ!

ہماری تاریخ کا کیا موڑ ہے، اور کیا اصول ہے اور کس بنیاد پر یہ مرتب ہوتی ہے؟ ہمیں جو رسولؐ کے متعلق اہلِ بیتؑ نے بتایا اور قرآن نے بتایا، وہ یہ ہے کہ رسولؐ عالم ہے، جو اللہ کی سرکار سے پڑھ کے آیا ہے، لہٰذا ہمارے پاس نظریۂ علم آیا، وہ نورانی ہے، مادی نہیں ہے۔ ضرورت بشر تھی جو مادیت کی شکل میں آ گیا، مگر اس کی اصلیت جو ہے وہ نور ہے، لہٰذا نورانیت کا نظریہ آیا وہ معصوم ہے، اس میں نہ کوئی غلطی ہو سکتی ہے، جان کے، یا بھولے سے، چھوٹی یا بڑی، کسی غلطی کا اس سے امکان نہیں ہے نظریۂ عصمت۔

ہمارے پاس جو تاریخ مرتب ہو رہی ہے، اس کے اندر نظریۂ عصمت ہے، نظریۂ نورانیت ہے، نظریۂ علم ہے۔

سامنے جو تاریخ مرتب ہو رہی ہے، اس میں نظریۂ مادیت ہے، نظریۂ جہل

ہے، اور نظریہ خطا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ اس بنیاد کے اُوپر جو واقعات آ رہے ہیں وہ کچھ اور ہیں اور اسی بنیاد پر جو واقعات آ رہے ہیں وہ کچھ اور ہیں۔

اب جب یہ دونوں تاریخیں سامنے آتی ہیں تو اختلاف کھل کے آتے ہیں، جب اختلاف کھل کے آتے ہیں تو اختلافات کے نتیجے میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

سمجھے آپ ــــ!

اب یہاں سے اس مسئلے کو طے کیجیے کہ ان نظریات میں سے کون سے نظریات ماننے کے قابل ہیں اور کون سے نظریات ماننے کے قابل نہیں ہیں۔ کیا ہماری عقیدت کا یہ زور ہے جو اصلیت کے خلاف، ہم علم، نور اور عصمت کے نظریہ کو پیش کر رہے ہیں؟ یا ان کے تعصب کا اثر ہے کہ جو حقیقت کے خلاف جہل، خطا اور مادیت کے نظریے کو پیش کر رہے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں جو ہیں ان میں فیصلہ کرنا پڑے گا اور دیکھنا پڑے گا کہ ان دونوں میں صحیح نظریہ کیا ہے؟

اور عزیزانِ گرامی ــــ!

یہی سے معاملہ آگے بڑھتا ہے کہ اگر رسولؐ خاطی ہے، مادی ہے اور غیر عالم ہے، تو اس کے بعد جو سلسلے چلیں گے ان میں علم، بے گناہی اور روحانیت تلاش نہ کیجیے۔ اور اگر رسولؐ عالم ہے، نورانی ہے، معصوم ہے، تو جس کو کہے گا: ''یہ مجھ سے ہے، میں اس سے ہوں''۔ جو اس کی اولاد ہوگی، جو اس کا نفس ہوگا، جو اس کے گوشت، پوست، خون کا مجموعہ ہوگا۔ پھر اس کے اندر بھی آپ کو علم ملنا چاہیے، نورانیت ملنا چاہیے، عصمت ملنا چاہیے۔

یہی سے دو نظریے آگے بڑھیں گے۔ ہم جو اماموں کے لیے عصمت کے

قائل ہیں، نورانیت کے قائل ہیں، علم کے قائل ہیں، وہ اسی لیے قائل ہیں کہ مرکز رسولؐ ہیں۔ جب وہاں سے علم چلے گا، نورانیت چلے گی، روحانیت چلے گی، تو آگے بڑھتی چلی جائے گی۔

اور اگر یہ سلسلہ نہیں ہوگا، تو پھر آگے کی جو چیز ہے وہ آپ کو نہیں ملے گی۔ یہ ہے اسلام کی تاریخ کا بنیادی مسئلہ۔ اب اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ہمیں غور کرنا پڑے گا، پڑھنا پڑے گا، کتابیں دیکھنا پڑیں گی اور کسی ایک نتیجے تک پہنچنا پڑے گا کہ اس کے اندر صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔

سرورِ کائنات کی پہلے حیثیت طے کیجیے، قرآن کہتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۂ انبیاء، آیہ ۱۰۷)

"ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام عالموں کے لیے بنا کے"۔

اب آپ کوئی دوسرا آدمی دنیا میں ڈھونڈیے جو ان کی طرح تمام عالمین کے لیے رحمت بن کے آیا ہو۔

کہتے ہیں: جی! جیسے ہم ویسے وہ۔

تو وہ عالمین کے لیے رحمت تھے تو آپ بھی ہوں گے؟

ہم نے تو رحمت بنتے تو دیکھا رحمت بنتے کسی کو نہ دیکھا، قرآن ان کے لیے کہہ رہا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (سورہ آلِ عمران، آیہ ۱۴۴)

"محمدؐ نہیں ہیں مگر رسول"۔

قرآن تو نہیں کہہ رہا ہے کہ وہ ہمارے جیسے تھے، قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ آپ سے ہم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کے اخلاص عمل پر گواہی دلوائیں گے۔

آپ میں سے کوئی صاحب ہیں جو کھڑے ہو کے یہ کہیں کہ جی میں بھی

حضرت آدمؑ و حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے اخلاص پر اور ان کی نیکیوں پر اور ان کی خدمات دینی پر گواہی دوں گا۔

ہیں کوئی صاحب اس پائے کے مجلس میں؟ جو پیغمبروں کے گواہ بنیں اخلاص عمل میں، خدا ان کے لیے یہ کہہ رہا ہے:

فَكَيْفَ اِذَاجِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ۝ (سورۂ نساء، آیہ ۴۱)

"اے میرے حبیبؐ! قیامت کے دن کیا شان ہوگی آپ کی، کیا جلوہ ہوگا آپ کا، جب ہم تمام پیغمبروں کو ان کی اُمتوں پہ گواہ بنا کر لائیں گے اور آپ کو ایک لاکھ چوبیس ہزار پہ گواہ بنا کے لائیں گے"۔

تو ہم جو رسولؐ اللہ کو عام انسانوں سے الگ تصور کرتے ہیں وہ کسی کی عداوت میں نہیں کرتے، چونکہ قرآن نے ہماری ہدایت کی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے ہمیں یہ بتایا ہے لہٰذا ہمیں جیسا قرآن نے بتایا ہے ویسا سمجھتے ہیں۔

جہاں تک ان کے علم کا سوال ہے، وہاں اس بات پر زندگی میں لڑائیاں ہوتی ہیں، جب کہا جاتا ہے کہ جی! رسولؐ تو پڑھے لکھے تھے تو کہتے ہیں:

ہیں! آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ آپ نے سورۂ جمعہ نہیں پڑھا۔

دیکھیے، پڑھیے ــــــ!

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (سورۂ جمعہ، آیہ ۲)

"جاہلوں میں سے ایک کو رسول بنا کر بھیجا"۔

بے پڑھے لکھے تھے، جاہل تھے (معاذ اللہ)۔

یہ اصل میں معاملہ یہ ہے کہ وہ زمانہ جب رسولؐ آئے تھے تو اس کو اہلِ

جملیت بھی کہتے ہیں۔

فکرِ علمائے اسلام کہاں تک ہے، خالی یہ دکھانا چاہتا ہوں آپ کو، پروازِ فکر کہاں تک ہے، یہ سوچ لیجیے۔ آپ کو اس سے اندازہ ہوگا کہ دماغ کی طاقت اور اڑنے کی پرواز وہ کہاں تک ہے۔

آپ نے پرندے اُڑتے دیکھے ہوں گے جو سو، ڈیڑھ سو فٹ سے اُوپر نہیں اُڑ پاتے ہیں، لیکن جب راکٹ جاتے ہیں تو کبوتر کو آپ اس کے ساتھ اڑائیے۔

کیوں نظریۂ جہل سامنے آیا، یہ سن لیجیے۔ اس سے پروازِ فکر کا اندازہ ہوگا۔

مکّے کے بوڑھے جو تھے وہ یہ منظر دیکھنا چاہتے تھے کہ رسولؐ اللہ بچپن میں ان کو اس طرح دکھائی دیں کہ تختی ہاتھ میں، دو تین قلم جیب میں، بستہ کندھے پر، اس کے پاس بیٹھ کر الف ب پڑھ رہے ہیں۔ اس کے پاس بیٹھ کر تختی لکھ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھتے تو کہتے کہ ہاں! واقعی پڑھے لکھے ہیں۔

یہ منظر انھوں نے دیکھا نہیں، لہٰذا یہ جہالت کے قائل ہوگئے، اس لیے کہ عالمِ نور تک ان کی فکر گئی نہیں کہ آنے والا یہاں کا نہیں ہے، وہاں سے آ رہا ہے۔

(نعرۂ حیدری)

ہم نے رسولؐ کے علم کو قرآن سے پہچانا اور وہی آیت جس آیت سے لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ وہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اسی آیت سے ہم نے استدلال کیا کہ وہ پڑھے لکھے تھے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (سورۂ جمعہ، آیہ۲)

کوئی سمجھ دار انسان کسی جاہل آدمی کے لیے نہیں کہے گا کہ یہ پڑھائے گا۔

ارے ــــ!

جب ایک پڑھا لکھا آدمی اتنی بے وقوفی کی بات نہیں کرے گا تو یہ خدا فرما رہا ہے:

"اللہ نے اُمیوں میں سے ایک کو رسولؐ بنا کر بھیجا ہے جو تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے"۔

تو اگر پڑھا لکھا نہیں ہے تو تعلیم دے گا کہاں سے؟

ب کہیے ــــ!

اطرب صاحب! آپ کو کیا بے چینی ہے؟ ہم کو بے چینی اس لیے ہے کہ ہم نے علم رسولؐ کو آلِ رسولؐ سے سمجھا ہے۔

تاریخ انسانیت میں سے ایک عالم گزرا ہے جس سے بڑا عالم شاید چشم فلک نے دیکھا نہ ہو، جس کے پاس جو مسئلہ لے کے آیا اسے منٹوں میں حل کیا۔ جس کے دروازے سے سائل کبھی محروم نہ گیا، جس نے منبر پر بیٹھ کر سلونی کہا۔ (نعرۂ حیدری)

جس کو دنیا نے مانا ہو یا نہ مانا ہو لیکن اس کے علم سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس کے دوستوں نے تو اس کو عالم کہا ہی، اس کے دشمنوں نے بھی اس کو عالم مانا، لیکن جب کوئی علم میں بہت بڑا درجہ حاصل کر لیتا ہے تو یہ تحقیق ہوتی ہے کہ پڑھا کہاں ہے؟

یہ صاحب سلونی عالم جو ہے، جب ہم نے پوچھا عربوں سے کہ یہ پڑھا کہاں ہے؟

تو سارے عرب چپ، بغیر پڑھے تو علم آتا نہیں۔ کوئی ایک نہ بولا کہ ہم نے پڑھایا ہے۔ جب سب چپ رہے تو ہم نے کہا: اسی سے چل کے پوچھیں جو ہر مسئلے کا جواب دیتا ہے، وہ اپنے متعلق بھی بتائے گا۔

تو ہم گئے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

کہا: کیوں آیا ہے؟

کہا: سرکار! آپ ہی کے لیے ایک سوال لے کر آئے ہیں۔

کہا: بتاؤ کیا سوال ہے؟

یہ بتائیے: آپ کو پڑھایا کس نے؟

تو انھوں نے ایک دفعہ نہیں دو دفعہ اپنے استاد کا نام بتایا، ایک دفعہ کہا:

عَلَّمَنِی رَسُولُ اللّٰہ اَلْفَ بَابٍ

"رسولؐ اللہ نے مجھے ایک ہزار دروازے علم کے پڑھائے"۔

اور ایک دفعہ کہا:

عَلَّمَنِی رَسُولُ اللّٰہ ذَقًّا ذَقًّا

"رسولؐ نے مجھ کو اس طرح علم بھرایا جیسے پرندہ اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے"۔

جس رسولؐ کو اُمت بے پڑھا کہتی ہے، علیؑ جیسا عالم کہہ رہا ہے کہ مجھے رسولؐ نے پڑھایا ــــــ (نعرۂ حیدری)

تو عزیزانِ گرامی ــــــ!

علیؑ جیسا عالم کہہ رہا ہے کہ مجھے رسولؐ اللہ نے پڑھایا ہے۔ ایک مسئلہ حل ہو گیا مگر دوسرا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ یہ مسئلہ تو حل ہو گیا کہ علیؑ کو کس نے پڑھایا، یعنی علیؑ کو رسولؐ اللہ نے تعلیم دی، مگر اس سے زیادہ پیچیدہ پیدا ہو گیا کہ علیؑ کہتے ہیں: مجھے رسولؐ نے پڑھایا۔

اُمت کہتی ہے کہ رسولؐ خود بے پڑھے تھے، تو بے پڑھا کیسے کسی کو اتنا پڑھا دے گا کہ علیؑ بن جائے۔

تو عزیزانِ گرامی ـــــ!

سوچئے آپ کہ مؤرخین نے کیا کیا دھاندلیاں کیں تو جہاں تک نورانیت کا سوال ہے، وہ ہم نے قرآن سے سمجھی، جہاں تک علم کا سوال ہے وہ ہم نے قرآن سے سمجھا، جہاں تک عصمت کا سوال ہے اس کو ہم نے قرآن سے سمجھا۔ (صلواۃ)

ذکرِ مصائب!

عزیزانِ گرامی ـــــ!

یہ میں نے جلدی جلدی آج اپنے آئندہ کے بیان کا theme آپ کو سمجھا دیا۔ اب یہ بیان اس طرح آگے بڑھے گا اور اس میں تاریخ کے دونوں طرح کے واقعات آئیں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اعتراض ہوتے ہیں وہ بھی اسی نظریے کی وجہ سے اور جو باتیں مانی جاتی ہیں وہ بھی اسی نظریے کی وجہ سے۔

اب ہمارے پاس حضرت امام حسینؑ کے لیے نظریہ عصمت و نور ہے، لہٰذا جب وہ کربلا گئے تو ان کے اس عمل کو ہم دوسرے اینگل سے دیکھتے ہیں۔ اور جن کے پاس نظریہ مادیت، خطا اور جہل ہے وہ کربلا کی طرف جانے کے عنوان کو دوسرے اینگل سے دیکھتے ہیں۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ جانتے تھے کہ ان کی شہادت ہے کربلا میں، اس کے بعد گئے، کیوں گئے؟ اس لیے کہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو اسلام مر جائے گا۔

وہ لوگ جن کے پاس یہ نظریہ نہیں ہے وہ ہمیشہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب معلوم تھا اور آپ کہتے ہیں کہ جانتے تھے تو کیوں گئے؟

ان کا خیال یہ ہے کہ بے خیالی میں گئے اور وہاں جا کر گرفتار معصیت ہو گئے۔

عزیزان گرامی ــــــ!

آج محرم کی پہلی رات ہے، حسینؑ کا قافلہ کربلا کے قریب آ گیا ہے۔ پہلی رات شروع ہو گئی محرم کی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ قافلہ ابھی راستے میں تھا کہ ایک آدمی کوفے کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کو روکو، شاید اس کے پاس میرے بھائی مسلمؑ کی کوئی اطلاع ہو۔

امامؑ سب جانتے تھے، لیکن اتمامِ حجت مقصود تھا۔ اس آدمی کو لوگ لے کر آئے۔ اس نے امامؑ کو ادب سے سلام کیا۔

آپ نے اس سے پوچھا: تم کہاں سے آ رہے ہو؟

اس نے کہا: میں کوفے سے آ رہا ہوں۔

کہا: تمھارے پاس ہمارے بھائی مسلمؑ کی کوئی اطلاع ہے؟

کہا: اگر آپؑ کی اجازت ہو تو میں آپؑ سے کچھ الگ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

آپؑ اس کا ہاتھ پکڑ کے خیمے کے پیچھے لے گئے۔ تو اس نے کہا: میں آپؑ کو پہچانتا ہوں اور میرے دل میں آپؑ سے ہمدردی ہے اور محبت ہے۔ میں جب کوفے سے چلا ہوں تو مسلمؑ کی لاش کوفے کی گلیوں میں گھسیٹی جا رہی تھی۔ یہ بات میں آپؑ سے الگ اس لیے کہہ دی کہ اگر میں سب کے سامنے کہتا تو لازمی طور پر آپؑ کے ساتھیوں پر اس کا خراب اثر پڑے گا۔ اب آپؑ جس طرح مناسب سمجھے، اتنا آپؑ اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دیجیے۔

وہ یہ کب جانتا تھا کہ یہ سب ساتھی تمنائے شہادت میں جا رہے ہیں۔

امام علیہ السلام اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے اپنے ساتھیوں کے سامنے اور فرمایا:

اے بھائی! ہمارا ان سے کوئی پردہ نہیں ہے، جو تو نے ہم سے بیان کیا وہ ان سے بھی بیان کر۔ تو اس نے یہ دل خراش خبر سب کے سامنے بیان کی۔

روایت بتاتی ہے کہ سب نے سنا، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ جب پردیس میں بھائی کی خبر سنی ہوگی تو مسلمؑ کے بھائیوں پہ کیا گزری ہوگی۔

ہاں عزیزانِ گرامی ــــــ!

میں کبھی کبھی محرم کی پہلی رات اس بے کس شہید کو نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں جو کوفے میں اکیلا شہید کر دیا گیا۔

حضرت مسلمؑ امام حسین علیہ السلام کے سفیر تھے، لہٰذا بڑے ملتے جلتے انداز میں آتا ہے۔

روایت بتاتی ہے کہ آٹھویں ذوالحجہ کو شام کے قریب مسلمؑ کوفے کی گلیوں میں چل رہے تھے۔ ایک ضعیفہ دروازے پر بیٹھی تھی، اس سے پانی مانگا، پانی پی کر وہیں ٹھہر گئے۔

اس نے کہا: گھر جائیے آپؑ کے گھر والے آپؑ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

کہا: وہ کہاں جائے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔

کہا: کیا آپؑ پردیسی ہیں؟

کہا: ہاں۔

کہا: کہاں کے رہنے والے ہیں؟

کہا: مدینے کا۔

کس خاندان کے ہیں؟

کہا: بنی ہاشم۔

کس کے صاحب زادے ہیں آپ؟

کہا: عقیلؑ

کہا: وہی عقیلؑ تو نہیں جو علیؑ کے بھائی تھے۔

کہا: ہاں وہی عقیلؑ۔

ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ کہا: میرا غریب خانہ حاضر ہے، آیئے۔

رات بھر مسلمؑ نے طوعہ کے گھر عبادت کی۔ سویرے دشمن آ گئے، اسلحہ سجا کے نکلے، سلام ہو اس پر جس کو وصیت کرنے کے لیے کوئی نہ ملا۔ بڑی شان سے لڑتے رہے۔ دھوکے سے حضرت مسلمؑ کو ایک گڑھے میں گرایا گیا۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

جملہ سنیے! مجلس تمام ہو رہی ہے۔ میں نے روایت میں پڑھا ہے جب مسلمؑ گڑھے میں گرے تو وہ فوجیں آگے بڑھیں جن کے ہاتھ میں لمبے نیزے تھے، حسینؑ کے شیر کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا۔

ہائے! میرے مولا حسینؑ! اُدھر حسینؑ کا قافلہ چل رہا تھا، اِدھر مسلمؑ دنیا سے جا رہے تھے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

maablib.org

مجلسِ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

میں آپ کی خدمت میں برابر پہلے دن سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ مجھے آپ کے سامنے اسلام کی وہ تاریخ پیش کرنا ہے جو تعلیماتِ اہلِ بیتؑ کے سایہ میں ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں جو رہبری ہے اور اسلام میں جو leadership ہے اور اسلام میں جو قیادت ہے اس کے متعلق اسلام میں دو نظریے پائے جاتے ہیں۔

اسلام میں leadership ، رہبری اور قیادت رسولؐ اللہ کی ہے۔ سرکار دو عالمؐ ہمارے رہبر ہیں، ہمارے قائد ہیں، ہمارے لیڈر ہیں، ہمارے رہنما ہیں۔

تو وہ کیسے ہیں؟ ــــــ!

ان کی شخصیت پہلے طے ہو، پھر اس کے بعد، انھوں نے کیا فرمایا ہے۔ کیا کیا زندگی ہے، کیا کیا کردار ہے، وہ تمام چیزیں جو ہیں ان پر آگے جا کر بحث ہوگی۔

میں نے کل بھی یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کی تھی اور محض حوالے کے لیے میں اس کو آج پھر دہرا دوں تا کہ کل کا بیان آج پھر تازہ ہو جائے۔

عالمِ اسلام میں دو نظریے پائے جاتے ہیں: وہ خاکی تھے، ان سے غلطی کا امکان تھا، اور وہ پڑھے لکھے نہیں، ایک نظریہ یہ ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وہ نوری تھے، وہ معصوم تھے اور اللہ کے مدرسے میں انھوں نے براہِ راست اپنے رب سے تعلیم حاصل کی تھی اور کسی بشر نے، کسی انسان نے ان کو نہیں پڑھایا تھا۔

یہ دو نظریے ہیں جو اسلام میں پائے جاتے ہیں اور ان دونوں نظریوں کے تحت اسلام کی تاریخ کی بنیاد ڈلتی ہے۔ جہاں نظریہ خطا ہے، جہاں نظریہ مادیت ہے، جہاں نظریہ بشریت ہے، وہ تاریخ میں ویسے ہی واقعات ملے، اور جہاں نظریہ عصمت ہے، نظریہ نورانیت ہے، نظریہ علم ہے وہاں تاریخ میں ویسے ہی واقعات ملے۔

ہم کو اسلام بتایا مولا علیؑ نے اور ان کے گیارہ معصوم بیٹوں نے۔ اس طریقے سے ہمیں اسلام کی تاریخ ان لوگوں کے ذریعے ملی۔ تو ہم کو یہ بتایا گیا کہ ہمارا رسولؐ نورانی ہے اور اس کی خلقت نوری ہے۔ قرآن مجید میں بھی اور حدیثوں میں بھی اس کی نورانی خلقت کے اشارے ہم کو ملتے ہیں۔ حدیث شریف موجود ہے:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

"سب سے پہلے جو شے اللہ نے خلق کی وہ میرا نور ہے"۔

خدا ازلی و ابدی ہے، اس کے لیے زمانے کی قید نہیں ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس ہمیشگی کو آپ کا دماغ سوچ نہیں سکتا۔ اس لیے کہ آپ اس دنیا میں محدود ہیں۔ اس دنیا میں آپ کا دماغ چکر لگا کر پلٹ آئے گا۔ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

لیکن ــــــ!

جب ہم ذکرِ رسولؐ شروع کرتے ہیں تو ہماری لفظیں ساتھ چھوڑنے لگتی ہیں۔

جیسے کہ ایک منزل تک اُڑنے کے بعد پرواز کی طاقت جواب دینے لگتی ہے۔ ویسے الفاظ کی طاقت جواب دینے لگتی ہے کہ ہم کیسے بیان کریں اس بات کو کہ کیا تھا۔

اس لیے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ دنیا میں اندھیرا تھا تو نہ دنیا تھی نہ اندھیرا تھا۔ دونوں مخلوق ہیں۔ اگر ہم کہیں تاریکی تھی تو تاریکی مخلوق ہے۔ اگر ہم کہیں ویرانی تھی تو ویرانی مخلوق ہے۔ جو لفظ ہم بولیں گے وہ مخلوق ہے اور رسول ﷺ کہتے ہیں:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ

"اللہ نے سب سے پہلے جو چیز خلق کی وہ میرا نور ہے"۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ دنیا کیا کہتی ہے ہمارا عقیدہ کیا ہے، وہ ہمارے بچے سنیں۔

اللہ تھا، اللہ کی مشیت میں گزرا کہ وہ پہچانا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے حدیث قدسی میں:

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا

"میں چھپا ہوا خزانہ تھا"۔

مجھے یہ بات پسند آئی کہ میں پہچانا جاؤں۔

فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِکَیْ اُعْرَفَ

"میں نے دنیا کو اس لیے خلق کیا کہ مجھے کون پہچانتا ہے"۔

تو جب اس کی مشیت میں یہ گزرا کہ وہ پہچانا جائے تو اس نے ایک نور خلق کیا، کب خلق کیا؟ زمانہ ہوتا تو بتاتا، کہاں خلق کیا؟ جگہ ہوتی تو بتاتی۔

یہ نور زمانے سے پہلے خلق ہوا، لہٰذا کب کا لفظ زمانے کے ساتھ جڑتا ہے۔

نہ زمانہ تھا، نہ مکان تھا، نہ فضائیں تھیں، نہ ہوائیں تھیں، نہ جن تھے، نہ انسان تھے، نہ ملک تھے، نہ روح تھی، نہ دریا تھے، نہ پہاڑ تھے، نہ چاند تھا، نہ سورج

تھا، نہ تارے تھے۔

بس ــــــ!

اللہ کا ایک مخلوق تھا اور خالق تھا جو نور کی شکل میں تھا۔ اب اس نے اس نور کو بڑھانا شروع کیا اور اس نور نے بڑھنا شروع کیا۔ بڑھانے والا اللہ اور بڑھنے والا یہ نور۔ کب تک بڑھایا؟ کتنا بڑھایا، کون جانے؟ یا تو بڑھنے والا جانے، یا بڑھانے والا جانے۔

یہاں تک کہ نور اتنا بڑھ گیا جتنا مخلوق بڑھ سکتا ہے، جتنا مخلوق علم حاصل کرسکتا ہے، اتنا خالق نے اس کو علم دے دیا۔ اب کائنات بنے گی۔

میں ہاتھ جوڑ کر عرض کروں گا: معبُودا بس اب نہ بناتا، تیری مرضی تو یہ تھی کہ تو پہچانا جائے، تو اس نور نے تجھے پہچان لیا۔ تیری مرضی پوری ہوگئی۔ اب نہ بناتا، اس لیے کہ اب جو لوگ بنیں گے لڑائی لڑیں گے، فساد کریں گے، ہنگامے کریں گے، دنیا کو خون سے نہلا دیں گے، اب نہ بناتا۔

بس ــــــ!

یہ رب اور نور ہے، یہ تیری تسبیح کرتا رہے تو اس کی تسبیح سنتا رہے۔ یہ تجھے پہچانتا رہے، تو اس کی معرفت میں اضافہ فرماتا رہے۔ ممکن ہے کہ جواب ہے: واہ! اچھی کہہ رہے، اس نے تو مجھے پہچان لیا، اب میں دنیا کو اس لیے بناؤں گا کہ اس کے راستے اور اس کے ذریعے سے مجھ کو پہچانیں۔ (نعرۂ حیدری)

اب کائنات بنی، تو اس کی مرضی، جیسی اس کی مرضی اس نے بنایا۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

ہم بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں جو اپنے کو عالم سمجھتے ہیں، اپنے کو پڑھا لکھا سمجھتے ہیں۔ اگر ایمان داری سے ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو ہم سے بڑے جاہل اس دنیا میں

ملیں گے نہیں، اس لیے کہ ابھی تو ہم قرآن شریف کی پہلی آیات کو نہیں سمجھ پائے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۂ حمد، آیہ ا)

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے"۔

دیکھیے ـــــ!

خالق اور ہوتا ہے، پالنے والا اور ہوتا ہے، خلق کرنا اور ہے اور پالنا اور ہے۔ پالنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی پلنے والا ہو، جب تک پلنے والے نہ ہوں گے۔

ابھی تک دنیا نہیں سمجھی ہے کہ پالنے والے کا مطلب کیا ہے لیکن آج تیرہ سو برس پہلے ہمارے چھٹے امامؑ نے اس نکتے کو واضح کیا تھا:

اَلْفَ اَلْفَ عَالَمٌ وَاَلْفَ اَلْفَ آدَمَ وَاَنَا حُجَّةٌ فِي الْجَمِيْعِ

یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر۔

"ہزار ہزار عالم ہیں اور ہزار ہزار آدمؑ ہیں

اور میں سب میں حجتِ خدا ہوں"

(صلواۃ)

تو اب کائنات عالم خلق ہوئی، کیا خلق ہوا؟ کیسے خلق ہوا؟ خالق جانے یا وہ مخلوق جانے جن کے سامنے خلق ہوئی کائنات، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ خلق ہونے والا نور بھی ایک اور جس نے خلق کیا ہے وہ خالق بھی ایک۔

اب جب یہ دونوں ایک ایک، دنیا کے سامنے آئیں گے تو پریشانی تو نہ ہو جائے گی؟ کہ جو خلق ہوا وہ بھی ایک اور جس نے خلق کیا وہ بھی ایک، تو ایسے تو نہیں ہے کہ انسان کی کمزور نظر دھوکا کھا جائے اور خلق ہونے والے کو خلق کرنے والا سمجھ لے، بندے کو خدا سمجھ لے، مخلوق کو خالق سمجھ لے، لہٰذا یہ مسئلہ بھی طے ہو جائے

کہ وہ کیسا ایک ہے، یہ کیسے ایک ہیں۔

توجہ چاہتا ہوں عزیزانِ گرامی!

سنیے!

ہماری زبان جو ہماری مادری زبان ہے، یہ زبان تھوڑی چھوٹی زبان ہے، عربی بڑی زبان ہے۔ بڑی زبان اور چھوٹی زبان میں فرق یہ ہوتا ہے جیسے بڑا گھر اور چھوٹا گھر۔ چھوٹے گھر میں rooms کم ہوتے ہیں اور بڑے گھر میں rooms زیادہ ہوتے ہیں۔

ویسے زبان کا معاملہ بھی یہی ہے کہ بڑی زبان ہوتی ہے، اس کے اندر اظہار کے طریقے زیادہ ہوتے ہیں اور چھوٹی زبان جو ہوتی ہے اس کے اندر اپنی بات کے طریقے جو ہیں وہ کم ہوتے ہیں۔

عربی میں اس اکائی کو جو آگے تقسیم نہ ہوتی ہو، اَحَدٌ کہتے ہیں اور وہ اکائی جو تقسیم ہو جائے اس کو وَاحِدٌ کہتے ہیں۔ وہ اکائی جو کسی دوسری اکائی کے ساتھ نہ ملے، یا کوئی اکائی اس اکائی کے ساتھ نہ جوڑی جا سکے وہ اَحَدٌ ہے، اور وہ اکائی جو کسی اکائی کے ساتھ مل کے دو ہو جائیں اور جب دو میں سے ایک اس میں سے الگ کر لیا جائے تو پھر ایک رہ جائے، وہ اکائی عربی زبان میں وَاحِدٌ کہلاتی ہے۔

ہماری اُردو چونکہ چھوٹی زبان ہے، لہٰذا ہمارے پاس اتنے زیادہ لفظیں نہیں ہیں۔ ہم دونوں کے لیے ایک کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے پاس زیادہ الفاظ کا ذخیرہ نہیں ہے تو وَاحِدٌ وہ ہے جو دوسرے کے ساتھ مل جائے اَحَدٌ وہ ہے جو کسی کے ساتھ نہ ملے۔ جب خالق نے اپنی یکتائی بیان کی تو فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (سورۂ توحید، آیہ ۱)

"اے رسولؐ! کہہ دیجیے کہ وہ اللہ احد ہے"۔

یعنی ایک ہے ایسا ایک، جو تقسیم نہیں ہو سکتا۔ کسی کے ساتھ مل نہیں سکتا، کوئی اور اس سے نہیں مل سکتا۔

اور جب بندے نے اپنی یکتائی بیان کی تو کہا:

أَنَا وَعَلِيٌّ وَمِنْ نُوْرٍ وَاحِدٍ (نعرۂ حیدری)

تو خالق وہ ہے۔ وہ احد ہے، نہ کسی کے ساتھ ملے گا، نہ کوئی اور اس کے ساتھ ملے گا، یہ اکائی ایسی ہے جو قابل تقسیم نہیں ہے اور مخلوق جو ہے وہ واحدؐ ہے جو ایک دکھائی دے گا۔ جب دو میں بٹ جائے گا تو محمدؐ اور علیؑ دکھائی دیں گے۔ پھر بھی پنجتنؑ کی شکل میں آ جائے گا۔ یہ عجیب و غریب ہے واحدؐ کے اندر صفت، کہ یہ الگ الگ بھی ہو جاتا ہے اور مل بھی جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جب چادر تطہیر میں مل گیا تو جبرئیلؑ کہنے لگے: وَمَنْ تَحْتَ الْكِسَاء کون ہیں؟ ____ (صلوٰۃ)

تو اب جب ایک ساتھ مل کے نور جلوہ فگن ہوئے تو جبرئیلؑ کو پھر پوچھنا پڑا:

يَا رَبِّ وَمَنْ تَحْتَ الْكِسَاءِ

"پالنے والے! کون ہیں اس چادر کے اندر؟"

اور جب اللہ نے پھر تقسیم کر دیا تو جبرئیلؑ پہچان گئے:

هُمْ فَاطِمَةُ وَأَبُوهَا وَبَعْلُهَا وَبَنُوهَا ____ (صلوٰۃ)

تو عزیزانِ گرامی ____!

اللہ نے خلق کیا نورانیت، اور اسی عالم نور میں تعلیم ہوئی، تربیت ہوئی، اور تعلیم و تربیت کے بعد امتحان ہوئے اور امتحان کے بعد عہدہ دیا گیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ

"میں نبی تھا اور آدمؑ پانی اور مٹی کے بیچ میں تھے۔"

یعنی آدمؑ کا پتلا بنا نہیں تھا، میں نبی تھا۔

میں اکثر و بیشتر پڑھتا ہوں، کوئی نئی بات نہیں ہے کہ ایک آدمی مجھ سے صرف ایک سال چھوٹا ہے، میں اس کو ستاتا ہوں کہ میں تھا اس دنیا میں اور تم نہیں تھے۔

اور یہ بات صحیح بھی ہے، میں ایک سال بڑا ہوں۔ بزرگوں نے بتایا کہ میں ایک سال بڑا ہوں اور وہ ایک سال چھوٹا ہے، اور ایک لڑکے سے میں نے کہا: تم کیا بات کرتے ہو، میں جس وقت پرنسپل تھا تو تم اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

پرنسپل عہدہ ہے، تعلیم چاہیے، تربیت چاہیے، selection چاہیے۔ پیدا ہوتے ہی آدمی پرنسپل نہیں ہو جاتا ہے۔ ایک مدت تک کرنے کے بعد پہنچتا ہے تو حضورؐ نے یہ نہیں کہا کہ میں تھا اور آدمؑ نہیں تھے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ

"میں نبی تھا اور آدمؑ خلق نہیں ہوئے تھے"۔

ہم جتنے یہاں بیٹھے ہیں یہ سب آدمؑ کے بیٹے ہیں، آپ بنی آدم کہلاتے ہیں، سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور حضورؐ کہہ رہے ہیں: "میں نبیؐ تھا اور آدمؑ بنے ہی نہیں تھے"۔

تو آدمؑ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم محمدؐ جیسے ہیں، آدمؑ کی اولاد کیا کہے گی؟ (نعرۂ حیدری)

تو یہ بات ٹھیک ہے نا کہ ہم سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ انسان کے لیے لفظ بنی آدم استعمال ہوتا ہے۔ تو جتنے اس وقت دنیا میں ہیں، جس رنگ میں ہوں، جس نسل سے ہوں، جس خاندان کے ہوں، جس عقیدے کے ہوں، جس نظریے کے ہوں، ہم سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔

دیکھیے ۔۔۔ !

آدمی کو اپنی اصلیت پہچاننا چاہیے، اور جو اپنی اصلیت سے آگے بڑھتا ہے وہ

دلیل ہوتا ہے۔

اب ایک بات سب سے یہی سن لیجیے!

جتنے دنیا میں تھے، جتنے دنیا میں ہیں، جتنے دنیا میں ہوں گے، سب آدمؑ کے بیٹے ہیں، اور حسنؑ اور حسینؑ محمدؐ کے بیٹے ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

تو عزیزانِ گرامی ــــ!

جس طرح آدمؑ محمدؐ جیسے، نہیں ہو سکتے ویسے بنی آدم میں سے کوئی حسنؑ اور حسینؑ کا مقابلہ نہ کرے۔ اور یہ جذبات کی بات نہیں ہے، عقیدت کی بات نہیں ہے، قرآن کی مہر لگی ہے۔

اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ کُمْ (سورۂ نساء، آیہ ۶۱)

کوئی کائنات میں حسنؑ و حسینؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتا، جیسے محمدؐ بے مثال ہیں، تاریخ انسانیت میں ویسے حسنؑ اور حسینؑ بے مثال ہیں۔ تاریخ انسانیت میں، اس لیے کہ وہ نبی ہیں، لیکن جب یہ نبی تھے۔

دیکھئے ــــ!

اللہ ہمیشہ سے اللہ ہے، یہ ہمیشہ سے نبی نہیں ہیں، ان کو کسی نے نبی بنایا ہے۔

کس نے بنایا ہے؟

کہا: اللہ کے سوا کون بنانے والا ہے؟

اللہ نے بنایا۔ ہے، تو اللہ نے ان کے سر پر تاجِ رسالت رکھا۔

خدا کے لیے اس خیال کو دماغ سے کم از کم آپ تو نکال ڈالیے کہ چالیس برس کے سن میں نبی۔ بنے۔

اب سنیے ــــ!

نبی کب بنے، آدمؑ تو خلق نہیں ہوئے تھے جب یہ نبی بنے لیکن ان کے نبی

بننے کا ذکر کیا ہے:

يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا (سورۂ رعد، آیہ ۴۳)

"یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں"۔

قُلْ

"آپ ان سے کہہ دیجیے"۔

كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (سورۂ رعد، آیہ ۴۳)

"ہمارے تمہارے درمیان ہماری نبوت کی گواہی کے لیے اللہ کافی ہے"۔

بس ــــــ!

آیت یہیں پر رُک جا، اللہ کے بعد اب کسی کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جب کوئی بات اللہ نے کہہ دی تو اس کے بعد میں کون، آپ کون؟

دیکھیے ــــــ!

اب ایک مشکل یہ ہے کہ قرآن بھی اللہ ہی کا کلام ہے، وہی آیت کو آگے بڑھا رہا ہے:

وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ (سورۂ رعد، آیہ ۴۳)

"اور وہ کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے"۔

معبودا! تو تو اکیلا کافی تھا، یہ عالم علم کتاب کو اپنے ساتھ شامل کیوں کر لیا؟
ممکن ہے کہ جواب دیں کہ بعد میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو کہیں گے:
ہمیں قرآن کافی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

لہٰذا اللہ کافی اور وہ کافی جس کے پاس ساری کتاب کا علم ہے۔
تو معلوم ہوا کہ کوئی ایک بزرگ اور بھی تھے، رسولؐ کے علاوہ جو اس وقت

پہلو میں کھڑے تھے، جب ان کے سر پر تاج رسالت عظمیٰ رکھا جا رہا تھا۔ ان کا قرآن نے نام نہیں بتایا۔ ان کی صفت بتائی، صفت یہ بتائی کہ ان کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔

توجہ چاہتا ہوں عزیزانِ گرامی!

یہ علم کا معاملہ عجیب ہے۔ آپ کے پاس سب سے زیادہ دولت ہے، آپ دنیا کے سب سے مال دار آدمی ہیں لیکن زندگی میں ایک لمحہ ایسا بھی آسکتا ہے کہ آپ کسی ایسی جگہ پھنس گئے ہوں جہاں آپ کے پاس کچھ نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ دنیا میں جتنی چیزیں انسان کی شخصیت کے ساتھ فضیلت کے نام پر جڑتی ہیں وہ سب انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں، سوائے علم کے۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی عالم کا علم اس سے الگ ہو جائے۔

وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (سورۂ رعد، آیہ ۴۳)

"گواہی کے لیے وہ کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے"۔

اب عالمِ اسلام نے کچھ آدمیوں کو کہا: یہ عالم، وہ عالم، ہر علم میں کہیں نہ کہیں پر گڑ بڑ نظر آئی۔ ایک ہی عالم ملا جس نے منبر سے کہا:

سَلُوْنِی ــــ! (نعرۂ حیدری)

تو عزیزانِ گرامی ــــ!

غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنے حبیبؐ کو نور سے خلق کیا۔ اب یہ مصلحتِ پروردگار تھی کہ اس نے ہماری عزت افزائی کی، ہم کو شرف بخشا، ہماری اس دنیا کو بہت بڑی عزت دی کہ اس نورِ اوّل کو بشکلِ بشر ہمارے درمیان بھیج دیا۔ یہ نورِ اوّل اگر شکلِ نوری میں آتا تو ہم اس کو دیکھ نہ سکتے۔ اس لیے کہ ہماری آنکھوں

میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم اس نور کو دیکھ سکیں۔

یہ جو قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کا قصہ لکھا ہے اس کو آپ بھی بڑے غور سے پڑھئے اور سوچئے کہ یہ کیا ہے۔

حضرت موسیٰ والے ضد کرتے تھے کہ ہم خدا کو دیکھیں گے۔ خدا دیکھنے کی شے نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر اللہ دکھائی دے تو اللہ نہیں ہے، نہ دنیا میں دکھائی دے گا نہ آخرت میں دکھائی دے گا، نہ جنت میں جانے والوں کو دکھائی دے گا، نہ جہنم میں جانے والوں کو دکھائی دے گا۔ اللہ دکھائی نہیں دیتا۔ نہ میں نے دیکھا ہے، نہ آپ نے دیکھا ہے۔ نہ کسی نبیؐ نے دیکھا ہے، نہ کسی ملک نے دیکھا ہے، اس لیے کہ دکھائی دینا شانِ مخلوق ہے، شانِ خالق نہیں ہے دکھائی دینا۔

وہ علماء جو اپنے کو محقق علماء کہتے ہیں وہ درحقیقت اسلام کے نام پر بربادی کا افسانہ ہیں جنھوں نے اللہ کی تصویر یہ بنائی ہے کہ کالا سا، موٹا سا، آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے، عرش پر بیٹھا ہوا ہے، اور وہ اس کے بوجھ سے چرچرا رہا ہے، اور پنڈلی میں اس کی نمرود کے تیر کا نشان ہے، اور قیامت کے دن وہ اپنا پیر جہنم میں ڈال دے گا۔

ارے ـــــ!

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

کہاں اسلام کا ایک پاک و پاکیزہ مذہب، اور کہاں اللہ کا یہ تصور کرنا، جو ان جاہل لوگوں نے اپنے دماغ میں پیدا کیا۔ تو اب جو چیز کوہِ طور پر چمکی تھی، وہ اللہ نہیں تھا۔

اچھا ـــــ!

تفسیر میں معصومؑ سے پوچھا گیا: پھر وہ تھا کیا؟

فرمایا: وہ ہمارے انوار تھے۔

تو عزیزانِ گرامی ــــــ!

جہاں موسیٰؑ بے ہوش ہو جائیں وہاں آپ کہاں تک پائیے گا، لہٰذا تو۔ اوّل بشکل بشر بھیجا تاکہ ہدایت کے تقاضے پورے ہو سکیں۔

اللہ نے اپنی حجت تمام کی، کہ اس نے سب سے بڑے رسولؐ کو نورِ ازل کو انسانی پیکر میں اور انسانی شکل میں بھیجا، تاکہ انسانوں کی ہدایت ہو سکے۔ ان شاء اللہ بات کل آگے بڑھے گی۔

ذکرِ مصائب!

اللہ نے اپنے حبیبؐ کو اکیلے نہیں بھیجا بلکہ نور اپنے سارے ٹکڑوں سمیت آیا ہے، تاکہ ہدایت کا سلسلہ صبح قیامت تک جاری رہ سکے اور بیچ میں کوئی لمحہ ایسا نہ آئے کہ یہ سلسلہ رُک جائے۔

اور یہی وجہ ہے کہ رسولؐ دنیا میں رہے تو رسولؐ ہدایت کرتے رہے اور رسولؐ دنیا سے گئے تو علیؑ نے ہدایت کی۔ علیؑ گئے تو حسنؑ نے ہدایت کی اور حسنؑ گئے تو حسینؑ نے ہدایت کی۔

اور جب یہ محسوس کیا کہ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ فکرِ انسانی کو جھنجوڑا جائے، اور ایک ایسا کردار دیا جائے کہ انسان صبح قیامت تک کے لیے بیدار ہو جائے۔ تو حسینؑ اپنا گھرانہ لے کر نکلے، آدمؑ کے بیٹوں کی اصلاح کے لیے محمدؐ کا بیٹا نکلا۔

اٹھائیسویں رجب ۶۰ ہجری امام حسین علیہ السلام اپنے خاندان کو لیے ہوئے مدینے سے نکلے۔ چند روز میں مکے آ گئے، شعبان کی ابتدائی تاریخوں سے آٹھویں ذوالحجہ تک مکے قیام کیا۔

آٹھویں ذوالحجہ حج کے سلسلے کی بڑی اہم تاریخ ہے۔ اس کو شریعت کی زبان میں یوم ترویہ کہتے ہیں۔ یوم ترویہ وہ دن جس دن حاجی حدود مکہ کے اندر احرام باندھتا ہے۔ اگر آٹھویں ذوالحجہ کو کوئی حاجی مکہ میں نہیں ہے تو احرام نہیں باندھ پائے گا۔

امام حسین علیہ السلام نے آٹھویں ذوالحجہ کی تاریخ منتخب کی۔ مکے سے سفر کرنے کے لیے امام کی مصلحت امامؑ جانے، مگر ممکن ہے کہ اس کے اندر راز یہ ہو کہ کل کو کوئی یہ نہ کہہ دے۔ حسینؑ چلے گئے، ہم نہیں تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ابھی مکہ کا سورج بلند ہوا تھا اور زوال کا وقت قریب تھا کہ باب ابراہیمؑ پر ہلچل ہوئی اور لوگوں نے یہ دیکھا کہ حسینؑ اس طرح داخلِ حرم ہو رہے ہیں کہ حسینؑ کو بنی ہاشم اپنے حلقے میں لیے ہوئے ہیں اور بنی ہاشم کو حسینؑ کے چاہنے والوں نے اپنے حلقے میں لیا ہوا ہے۔ اس طریقے سے دہرے حفاظتی حلقے میں حسینؑ حرم کے اندر داخل ہو رہے ہیں اور یہ کہتے ہوئے داخل ہو رہے ہیں:

"اس اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں موت کے ڈر سے مکہ نہیں چھوڑ رہا ہوں، اس گھر کے احترام کی وجہ سے مکہ چھوڑ رہا ہوں۔ میرے قاتل آ گئے ہیں حاجیوں کے لباس میں، لباسِ احرام میں خنجر چھپائے ہوئے، میرے قاتل مکہ میں داخل ہو چکے ہیں"۔

یزید کی پالیسی یہ تھی کہ اس نے کچھ قاتل بھیجے تھے مکہ میں حسینؑ کے لیے کہ طواف کرتے ہوئے، سعی کرتے ہوئے، حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے، مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھتے ہوئے، منیٰ میں قربانی کرتے ہوئے، عرفات میں دعا کرتے ہوئے، جہاں حسینؑ ملیں فوراً قتل کر دو۔ حسینؑ قتل ہو جائے تو پرانی دشمنوں کے نام دے دیے جاتے، قاتل یا گرفتار ہی نہ ہوتے یا پھر دوسرے لوگ قاتلوں ہی کو قتل کر دیتے تاکہ

یہ بات کسی کو پتہ نہ چلے کہ کیوں قتل کیے گئے حسینؑ ۔ اپنی جان بچانے کے لیے نہیں اسلام بچانے کے لیے امام حسینؑ نے مکہ چھوڑا تھا۔ حج کو عمرے سے بدلہ، مکّہ سے باہر نکلے، آٹھویں ذوالحجہ کی شام ہوئی، حسینؑ حدود حرم سے باہر نکل گئے یہ کہتے ہوئے:

"اللہ کی قسم! حدود مکہ سے ایک بالشت اگر قتل کر دیا جاؤں تو مجھے گوارا ہے بانسبت اس کے کہ حدود مکہ کے اندر رہتے ہوئے قتل ہو جاؤں"۔

زمین حرم کی حرمت محفوظ رہ گئی، حسینؑ مکّہ سے باہر چلے گئے۔ سفرِ غربت طے ہونے لگا، یہاں تک کہ کل کی رات سیدانیوں نے سفر میں محرم کا چاند دیکھ لیا۔

میں کہوں گا یہی وہ چاند ہے جس میں بنی ہاشم کا چاند ڈوب جائے گا، اس میں لیلیٰ کا چاند سینے پہ برچھی کھائے گا، اس میں ربابؑ کے چاند کے گلے پر تیر لگے گا، اس میں اُم فروہؑ کا چاند گھوڑوں کی ٹاپوں تلے پامال ہو جائے گا۔

آج محرم کی پہلی تاریخ ہے، سویرا ہوا، نمازِ صبح کے وقت قافلہ چلا۔ ظہر کی نماز سے پہلے حرؑ کے لشکر سے ملاقات ہوئی، ساقیِ کوثر کے لعل نے پیاسے دشمن کو پانی سے سیراب کیا۔

عزیزانِ گرامی!

آج پہلی محرم ہے، پہلی محرم کو حرؑ کا لشکر ملا تھا۔ آج کے ٹھیک دس دن کے بعد دسویں محرم ہے۔ پہلی محرم کو جس نے دشمن کو سیراب کیا تھا، دسویں محرم کو اپنے بچوں کو ہاتھوں پہ لیے کھڑا ہے۔

"اگر میں سزاوار ہوں تو یہ بچہ تو معصوم ہے، اس کو تھوڑا سا پانی پلا دو"۔

حرؑ نے ظہر کی نماز امامؑ کے ساتھ پڑھی، اور اس کے بعد جب امامؑ آگے

بڑھنے لگے تو پھر حرؑ نے گھوڑے کی لگام میں ہاتھ ڈالا، ایک دفعہ حسینؑ نے ڈانٹا:
"تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے کیا کر رہا ہے؟"

کانپتے ہوئے لگام چھوڑ دی، جسم کانپ رہا ہے، کہا: پوری دنیا میں کوئی کہتا تو میں اس کو پلٹ کر جواب دیتا مگر آپؑ کی ماں، سوائے درود وسلام کے۔

یہ نہ سوچے گا کہ امامؑ نے اس کو ڈانٹ دیا، ڈانٹا نہیں، اس کو جنت کا راستہ دکھا دیا۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ عاشور کے دن حرؑ ہاتھ جوڑے ہوئے آ گیا۔

هَلْ لِي تَوْبَةٌ

اگر حسینؑ پہلی محرم کو اس کو نہ جھنجھوڑتے تو شاید دسویں محرم کو نہ آتا، اور جب آیا تو حسینؑ کے قدموں سے لپٹ کر کیا پا گیا، اپنا جوان بیٹا لے کر آیا تھا مگر حسینؑ نے باپ کو بیٹے کی میت نہ اٹھانے دی۔

بس عزیزانِ گرامی ــــ!

مجلس تمام ہے، حرؑ کے بیٹے کا لاشہ امامؑ خود لائے، اس گھرانے کا دستور یہ تھا کہ جب بھی کوئی مہمان آیا اس کو تحفہ ضرور دیا گیا۔ حرؑ عاشور کو سویرے آیا، اس کو نہ دولت چاہیے، نہ مکان چاہیے، نہ زندگی چاہیے۔ اس کو کچھ نہیں چاہیے مگر حسینؑ نے اپنے گھر کا دستور بدلنے نہیں دیا۔

جب حرؑ گھوڑے سے گرے تو تاریخ بتاتی ہے کہ حسینؑ پہنچ گئے، حرؑ کے سر پہ زخم لگا تھا جس سے خون جاری تھا۔

اے حرؑ! مبارک ہو، حسینؑ کا تحفہ لیتے جاؤ۔

سیدہ کے لعل نے اپنی ماں کا رومال جیب سے نکالا، حرؑ کے ماتھے پہ باندھا۔

اے حرؑ! مبارک ہو، کربلا کے بہتر میں رومالِ فاطمہؑ کا تحفہ تمہیں ملا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

مجلسِ چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرمارہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ گرامی ــــ!

سلسلۂ کلام آپ کے ذہن میں ہوگا، ہمارے آپ کے درمیان گفتگو کئی منزلوں سے گزرتی ہوئی خاندانِ رسالتؐ کے سبجیکٹ (subject) پر کل یہاں تک پہنچی تھی کہ بنی اُمیہ کا اور بنی ہاشم کا خاندانی اختلاف جو زیادہ تر کیریکٹر اور سیرت اور چال چلن کی بنیاد پر تھا، شروع میں بھی اعلانِ اسلام کے بعد مذہبی اختلاف کی شکل میں آ گیا، یعنی کیوس لڑائی کا جو چھوٹا تھا وہ بڑا ہو گیا۔ ابھی تک یہ قبیلے کا اختلاف تھا لیکن اب یہ ایک مذہبی بنیاد پر اختلاف ہو گیا۔ حضور سرورِ کائناتؐ نے جو بنی ہاشم سے تھے اور جن کو ان کے چچا سردار بنی ہاشم جناب ابوطالبؑ اپنی سرپرستی میں لیے تھے، انھوں نے اعلان کیا اس بات کا کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں، اللہ کا آخری پیغام لے کے آیا ہوں، تمھاری نجات اور تمھیں دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی دینے آیا ہوں، اور کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اتنا بہتر تحفہ لے کے نہیں آیا تھا جتنا بہتر تحفہ لے کے مَیں آیا ہوں، میرا مسیج یہ ہے کہ ایک اللہ کو مانو جو تمھارا اور اس پوری کائنات کا

خالق ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جو ایک ہے اور اس کے اندر کسی طرح کی دوی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ میں اس کا میسنجر ہوں، اس کا رسولؐ ہوں اور اس کے بعد جو باتیں بتائی گئی تھیں وہ یہ تھیں کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، انسانیت کی بنیاد پر سب انسان پرکھے جائیں، نہ کوئی چھوٹا ہے نہ کوئی بڑا، کالے ہونے کی بنیاد پر کوئی ذلیل نہیں ہے، گورے ہونے کی بنیاد پر کوئی عزت دار نہیں ہے، مال دار ہونا آدمی کے بڑے آدمی ہونے کی دلیل نہیں ہے، غریب ہونا آدمی کے چھوٹے ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ حبشی ہونا کوئی ذلت کی بات نہیں ہے، عورتیں زندگی میں برابر کی شریک ہیں، ان کی انسلٹ نہ کی جائے بلکہ ان کو پوری عزت دی جائے، جھوٹ نہ بولو، سود نہ کھاؤ، چوری نہ کرو، شراب نہ پیو، اپنے چال چلن کو اچھا رکھو، اپنے کیریکٹر پر دھبے نہ پڑنے دو۔ یہ وہ تمام پیغام تھا جو رسولؐ اللہ مکہ میں دے رہے تھے، اس میں خاندان پرست ابوسفیان سیاسی فائدہ اٹھانے کے اپنے پتھر کے پتلوں کا حمایتی بن کے رسولؐ اللہ کے خلاف کھل کے میدان میں آ گیا اور اس نے لوگوں کو یہ سمجھانا شروع کیا کہ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ہم اور ہمارے باپ دادا پاگل تھے، کافر تھے اور مشرک تھے اور جہنمی تھے۔ یہ کوئی بات ہوئی کہ صدیوں سال سے ہم جن لات و جبل کو پوج رہے ہیں اور سجدہ کر رہے ہیں ان کو چھوڑ دیں، اور محمدؐ کے ایسے خدا کو مان لیں جس کو دیکھا بھی نہیں ہے، بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ جو زندگی بھر ہماری خدمت کرتے رہے انھیں اپنے ساتھ بیٹھ کے کھانا کھلائیں، کیا ہم اتنے گئے گزرے ہو گئے کہ غلاموں کے ساتھ کھانا کھائیں۔ بھلا کوئی بات ہوئی کہ ہم عورتوں کو سر پر چڑھائیں اور وہ جو بات کہیں اسے مانیں اور اس کا خیال کریں، بھلا کوئی بات ہوئی کہ یہ غریب و غرباء، فقیر لوگ یہ ہمارے برابر سے ہمارے پہلو میں آ کے بیٹھیں جب کہ ہم سردار لوگ ہیں، بڑے لوگ ہیں، خاندانی لوگ ہیں، یہ بات غریبوں کو اپیل کرے نہ کرے

سرداروں کو، مال داروں کو، پیسے والوں کو، جتھے والوں کو بہت اپیل کر رہی تھی۔

اسلام میں شروع ہوتے ہی ٹکراؤ، تصادم، اور لڑائی کی گرمی پیدا ہوگئی اور وہ کمزور لوگ، وہ غریب لوگ، وہ پریشان حال لوگ جو مسلمان ہوگئے تھے، ان کے اوپر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے لگے، حضرت عمارؓ یاسر ایک بڑے مشہور صحابی گزرے ہیں، ان کے والد جناب یاسر اور ان کی والدہ دونوں بڑے پکے مسلمان ہوگئے تھے، مگر غریب تھے، غلام تھے، جتھے اور قبیلے والے نہیں تھے، ان کو دھوپ میں لٹا دیا جاتا تھا۔ عرب کی تیز دھوپ، دہکتا ہوا ریگستان، سینے پہ پتھر رکھ دیا جاتا تھا، کوڑے مارے جاتے تھے۔

حضرت بلالؓ حبشی جو رسولؐ کے موذن بنے بعد میں، ایمان کے بڑے پختہ اللہ کے بڑے پکے ماننے والے مگر غریب، مگر حبش کے رہنے والے، ظاہر ہے کہ علاقہ کے حساب سے آدمی کا کلر ہوتا ہے، رنگ ہوتا ہے، تو نیگرو ہے تو اس کا رنگ کالا ہوگا، دھوپ میں لیٹے ہیں، زنجیروں میں جکڑے ہیں، عرب کی دوپہر ہے، مکہ کی تیز دھوپ میں جہاں سیدھی کرنیں پڑتی ہیں آفتاب کی۔ دو گھنٹے میں پتھر جب آگ کی طرح دہکنے لگا تو ان کے سینے پر رکھ دیا گیا، مگر یہ اللہ کا چاہنے والا ایک ہی جملہ کہہ رہا ہے: احد، احد، احد، احد—— ایک، ایک، ایک، ایک۔ مکہ میں ظلم کی داستانیں گلی گلی بکھری تھیں، ناانصافی کی یہ داستانیں گلی گلی بکھری تھیں، ناانصافی کی یہ داستانیں ہر ہر سڑک پر دکھائی دیتی تھیں۔ مکہ کے جنگلوں میں لے جا کے لوگ اپنے غلاموں کو کوڑے سے مارتے تھے۔ یہ ظلم مردوں کے ساتھ عورتوں پہ بھی ہوتا تھا۔ کنیزیں، کمزور عورتیں، غریب و بے کس و بے سہارا عورتیں جانوروں کی طرح ماری جاتی تھیں اور یہ درندے اتنا نہیں کہتے تھے کہ یہ نہ کرو یہ انصاف کے خلاف ہے۔ وہ لوگ جو قبیلے اور خاندان والے بھی مسلمان ہوگئے تھے، ان کو اگرچہ اس طرح کی تکلیفیں نہیں برداشت کرنا پڑتی تھیں، اس لیے کہ مکہ میں ان کے خاندان اور قبیلے تھے، لیکن ان

پر اقتصادی مار پڑ رہی تھی، ان کو کام نہیں ملتا تھا، ان کے لیے کھانے کا سامان نہیں تھا، ان کے گھروں میں دو دو، تین تین وقت گزر جاتے تھے کہ آگ نہیں روشن ہوتی تھی۔ سماج نے ان کا بائیکاٹ کیا تھا، ان تمام چیزوں میں بنی اُمیہ کا گھرانہ آگے آگے تھا۔

انھوں نے اور مکے کے قبیلے والوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔ بنی ہاشم اپنے تھوڑے سے چاہنے والوں اور ماننے والوں کے ساتھ مکہ میں ایک کشمکش کی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ تو کہیے کہ سردار قریش ابوطالب کے غیر معمولی اثرات اور مکے سے باہر تک کے ان کے تعلقات اور ان کی ذاتی وجاہت و دبدبہ جو بہت دنوں سے صدیوں سے چلا آ رہا تھا اس نے رسولؐ اللہ اور مسلمانوں کی جان کی حفاظت کے لیے ایک سائے کا کام کیا تھا اور جنابِ خدیجہؑ کی بے اندازہ دولت نے جو ملیکۃ العرب کہلواتی تھیں، کسی زمانے میں یعنی عرب کی ملکہ، ان لوگوں کے گھروں میں فاقہ شکنی کا انتظام کیا تھا، جن کے گھر میں دو دو دن آگ نہیں جلتی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی مسلمان مکہ میں کوئی اچھی، آرام دہ، پُرسکون اور محفوظ زندگی نہیں گزار رہے تھے۔

عزیزانِ گرامی ___!

اس تاریخ کو بہت غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے، اس تاریخ کو بہت توجہ سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس تاریخ کو اچھی طرح یاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ بعد میں اسلام میں جو واقعات آئے ہیں، ان واقعات کے اُوپر اس تاریخ کا بہت زبردست ریفلکشن ہے، بہت زبردست اثرات ہیں، چونکہ لوگ اس تاریخ کو دیکھتے نہیں ہیں اور اس تاریخ کو پڑھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مس گائڈ ہو جاتے ہیں اور راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔

میں آپ کو جس وعدے کے ساتھ لے کر چلا ہوں، وہ آپ کے ذہن میں ہوگا کہ ہم تاریخ کے اتنے اتنے سے واقعات جوڑ کے حالات کے نتیجے کو نکالیں گے۔

اگر دس برس تک میں نے کسی آدمی پر ظلم کیا ہے، اس کو مارا پیٹا ہے، اس کے ساتھ زیادتی کی ہے، اس کو ستایا ہے اور گیارھویں سال میں تو سب سے بڑا مسلمان بن گیا اور اس کا اسلام میں کوئی مرتبہ ہی نہ رہا، تو انصاف سے بتایئے کہ کیا وہ اپنے دل میں یہ سوچے گا کہ وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا۔

اسلام کی تاریخ کو تعصب کی عینک اُتار کے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بڑی بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ لوگ شخصیتوں سے اتنا متاثر ہو گئے ہیں کہ سچائیاں ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہیں۔

سرورِکائنات اس قافلے کے رہبر ہیں جو اللہ کو ایک کہتا ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ جب وہ نکلتے ہیں تو پتھر مارے جاتے ہیں۔ وہ راستے میں چلتے ہیں تو کفارِ قریش منہ در منہ آن کے ان سے بدتمیزی کرتے ہیں۔ وہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد الحرام میں جاتے ہیں تو ان کی پشت پر اُونٹ کے پیٹ کی نکلی ہوئی آلائش رکھ دی جاتی ہے اور یہ کون کر رہا ہے؟ یہ کس کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے؟

عزیزانِ گرامی ــــ!

میں ایک بات کہوں گا اور اگر تو جوان نہیں تو جو میری عمر کے لوگ اس مجلس میں ہیں وہ اس کو پوری طرح سمجھ جائیں گے، ہمارا ہندستان ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے زیرِاثر آن کے غلام بن گیا۔ پھر ہندوستان میں ایک تحریک چلی، ایک موومنٹ چلا: "ہندوستان کی آزادی کا موومنٹ، فریڈم موومنٹ"۔ فریڈم موومنٹ میں کچھ لوگوں نے حصّہ لیا۔ جن لوگوں نے آزادی کے موومنٹ میں حصّہ لیا، انگریزوں نے انھیں جیل میں بند کیا، ان کو مارا پیٹا گیا، ان کو گرفتار کیا گیا، ان کو دو دو، چار برس کی سزائیں ہوتی تھیں، لوگوں نے اپنی نوکریاں چھوڑ دیں۔ لوگوں نے اپنے ولایتی کپڑے جلائے۔ لوگوں نے انگریزوں سے اپنے کو "ڈس ایسوسی ایٹ" کیا۔ یہ سب

ہندوستان میں ہوا۔ آپ نے یا تو دیکھا ہوگا، یا پڑھا ہوگا، یا سنا ہوگا کہ ہندوستان کے اندر یہ سب ہوا، یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا تو وہ لوگ، وہ پولیس آفیسر، وہ ہندوستان کے بعض انڈین جو انگریزوں سے مل مل کے گولیاں چلواتے تھے، لاٹھی چارج کراتے تھے، مخبری کر کے نیشنل لیڈرز کو گرفتار کراتے تھے، وہ اپنا منھ چھپائے چھپائے گھومے، اور وہ لوگ جیل گئے تھے، جنھوں نے لاٹھیاں کھائی تھیں، جنھوں نے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائی تھیں۔ وہی بڑے بڑے لیڈر بن کے بڑے بڑے عہدوں تک آئے اور آگے ہندوستان انہی کے زور کے اُوپر اور انہی کے دست و بازو پر چلا۔ یہ ہندوستان کی تاریخ ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلام کو یہ تاریخ نصیب نہ ہوئی، جو ظلم کرتے رہے، جو انصافی کرتے رہے، جو لوگوں کو قتل کرتے رہے، جو سرورِ کائنات سے لڑتے رہے، جو مسلمانوں کو دھوپ میں لٹا کے کوڑے مارتے رہے۔ تھوڑے دنوں بعد وہی برسرِ اقتدار آگئے اور جنھوں نے راہِ اسلام میں مصیبتیں جھیلی تھیں۔ وہ پھر اپنے خاک و خون میں نہاتے چلے گئے۔ اما! ہندوستان کی تاریخ بھی نہ نصیب ہوئی، تم کیا منہ لے کے بات کرو گے۔ صلواۃ بر محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

تاریخ پڑھئے، مکہ میں حضور سرورِ کائنات زحمتیں اُٹھا رہے ہیں، پریشانیاں جھیل رہے ہیں، راستے میں سرِ اقدس پر کوڑا پھینکا جا رہا ہے، جدھر سے گزر رہے ہیں، لوگ پتھر مار رہے ہیں۔ یہ زندگی گزار رہا ہے اللہ کا سب سے بڑا رسولؐ، دشمنی کا نشانہ سرورِ کائنات کی ذاتِ اقدس ہے، دشمنی کا نشانہ سرورِ دو عالمؐ کی شخصیت ہے، کافر بار بار یہ سازش کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کو قتل کر دو، اسلام کی تاریخ ابوطالبؑ کا نام نہیں لکھ سکتی، ہمیں معلوم ہے، دیکھئے آدمی اپنے مطلب کا بڑا سیانہ ہوتا ہے۔ ہر چیز آپ کو لکھی ہوئی نہیں ملے گی، کچھ آپ کو اپنی عقل استعمال کرنا پڑے گی، اور عقل کے دروازے بند کر کے اور تو اور آپ اللہ کو نہیں سمجھتے، اسلام کی سب سے عظیم، سب سے

بلند، سب سے مہتم بالشان شے جو ہے کلمہ لا الٰہ الا اللہ۔ سب سے پہلے یہی ہے، سب سے اہم یہی ہے لا الٰہ الا اللہ، لیکن یقین مانیں کہ اگر آپ اپنی عقل کے سب دروازے کھڑکیاں بند کرلیں تو آپ اللہ کو بھی نہیں سمجھ سکتے، جب کہ اللہ کی نشانیاں خود آپ کے وجود میں پوری کائنات میں بکھری پڑی ہیں، لیکن انھیں کے لیے جو اپنی عقل استعمال کرتے ہیں، ان کے لیے نہیں جو عقل کے اوپر جہالت کے پتھر ڈال کے بیٹھ جائیں۔

میرے دوستو ـــــ!

رسولؐ کی حفاظت کے سلسلے میں ابوطالب کے نام کی اُمید تاریخ سے نہ کیجیے۔ اس کی وجہ ہے: "تاریخ جانب دار ہے، تاریخ پارشل ہے، تاریخ پیسے کے زور پر لکھوائی جاتی تھی، اور جہاں جہاں پڑھے لکھے لوگ میری آواز سن رہے ہیں اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ تاریخ واقعات کے سلسلے میں معتبری ہوتی ہے، کیریکٹر کے سلسلے میں غیر معتبری ہوتی ہے، یعنی تاج محل کس سن میں بنا، یہ تو تاریخ سے آپ کو مل جائے گا لیکن تاج محل بنوانے والا بادشاہ اچھا آدمی تھا، بُرا آدمی تھا، یہ ضروری نہیں کہ تاریخ آپ کو صحیح بتا دے۔ فلاں لڑائی کس سن میں ہوئی، کہاں پر لڑی گئی، یہ تو تاریخ آپ کو ٹھیک بتا دے گی کہ فلاں تاریخ تھی، فلاں میدان تھا، جہاں پر یہ لڑائی لڑی گئی لیکن جب لڑائی ہوئی ہے تو کون پارٹی صحیح بات کہہ رہی تھی، کون غلط، یہ ضروری نہیں کہ تاریخ صحیح بتائے۔ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ مؤرخ کا قلم کسی دوسرے نے خرید لیا ہو۔ آپ سے ہم سیدھی سیدھی بات یہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان پتھر مار رہا تھا اور ابوطالب پتھر روک رہے تھے۔ بیچ میں سرورِ کائناتؐ کھڑے تھے۔ دیکھیے تصور میں دیکھ لیجیے آپ، ابوسفیان پتھر مار رہا ہے، ابوطالب پتھر روک رہے ہیں۔ سرورِ کائناتؐ بیچ میں کھڑے ہیں۔ اب ابوطالبؑ کا پتھر روکنا اگر کوئی پتھر ڈ پارٹی برسرِ اقتدار ہو جو ان پارشلہ ہو تب تو لکھ دے گی لیکن اگر اسلام کی تاریخ

آلِ ابوسفیان کے اشارے پر لکھی جارہی ہو تو ہم کیا امید کریں کہ ابوطالبؑ کی سیکری فائز لکھی جائے گی۔ اگر سنجیدہ انسان اتنے سے نکتے کو بھی سمجھنے سے محروم ہیں تو بیکار ہے سب کچھ پڑھنا، سب تقریر بیکار ہے، اگر اتنی سی بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔

حضور سرورِ کائناتؐ مخالفت کا نشانہ ہیں، اور ہر طرف سے پتھر آرہے ہیں، بے شک آپ ابوطالبؑ کی جو تعریف کرتے ہیں، وہ صرف اس لیے کہ انھوں نے ایسی حالت میں حضورؐ کی جان کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اس کو کامیابی سے نبھایا، جب کہ آج کی اس وسائل کی بھری پڑی دنیا میں، بڑے بڑے ہیڈ آف اسٹیٹ گولی کا نشانہ بن جاتے ہیں، اور سیکورٹی کچھ نہیں کر پاتی۔ سیکورٹی محض دل کی تسلی ہے۔ آپ کو ایشیا کی مثالیں دیں یا یورپ کی مثالیں دیں۔ دنیا میں ہر جگہ یہ ہو رہا ہے، صرف یہی نہیں ہے کہ ایشیائی دیش تو سویا ہی کرتے ہیں وہاں یہ حادثہ ہوتا ہے تو امریکا تو جاگتا ہے، اسرائیل کی انٹیلی جنس تو ساری دنیا کی انٹیلی جنس کو مات دے دیتی ہے۔ ان کا ابھی اسی سال کا واقعہ ـــــ تو معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری لینا یہ بہت ہی ناممکن قسم کا کام ہے۔ مکہ میں جہاں ہر شخص مسلح تھا، جہاں ہر ایک کے تلوار بندھی ہوئی تھی وہاں کسی کی جان کی حفاظت کا بیڑا اٹھانا یہ معمولی بات نہیں تھی۔ ہم محبت رسولؐ میں ابوطالبؑ کو سلام کرتے ہیں، اس لیے کہ ہم جس کا کلمہ پڑھتے ہیں، کم سے کم دنیا میں ایک آدمی ایسا اُٹھا تو سہی کہ جس نے اس کی جان کی حفاظت کی بات کی۔

تاریخ لکھتی ہے کہ ایک رات حضور گھر پر واپس نہیں آئے اور وہ رات ابوطالبؑ نے اضطراب میں گزاری۔ سویرا ہوا وہاں اُٹھ کے گئے جہاں مکّہ کے سردار بیٹھے تھے، بڑے لوگ، کفار، وہاں دیکھا سترہ آدمی بیٹھے ہیں۔ ابوطالب نے اپنے غلاموں کو آواز دی، سترہ غلام منتخب کیے۔ اسلحہ خانہ کھولا، سترہ نے خنجر نکالے، ایک

ایک غلام کے ہاتھ میں ایک ایک خنجر دیا، کہاں فلاں جگہ سترہ آدمی بیٹھے ہیں، اس اینگل سے بیٹھ جانا کہ ایک ایک کی زد پر رہے، میرا بھتیجا رات سے نہیں آیا ہے، میری حالت خراب ہے، مجھے ایک جگہ اس کے ملنے کی اُمید ہے، میں وہاں جا رہا ہوں، اور مجھے امید ہے کہ مل جائے گا وہاں خیریت سے، اگر وہ مل گیا اور میں گھر میں اس طرح داخل ہوا کہ میرا بھتیجا میرے ساتھ ہے تو تم جیسے بیٹھے ہو ویسے ہی بیٹھے رہنا، میرے مزید آرڈر کا انتظار کرنا اور اگر تم نے یہ دیکھا کہ میں اکیلا آ رہا ہوں تو میرے آرڈر کا انتظار نہ کرنا میں ابھی تم کو آرڈر دے رہا ہوں کہ ہر آدمی اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے آدمی کا پیٹ چاک کر دے فوراً۔ ادھر ان کو بھیج کے وہ گھر گئے، وہاں سرورِ کائنات مل گئے، ان کو لیے ہوئے آئے تو غلاموں نے دیکھا کہ چچا بھتیجے ساتھ آ رہے ہیں اور ان کو ہدایت یہ تھی کہ جیسے بیٹھے ہو ویسے بیٹھے رہنا۔

چنانچہ وہ جیسے بیٹھے تھے ویسے بیٹھے رہے، دونوں آ کے کھڑے ہوئے سامنے، ابوطالبؑ نے کہا: غلامو! اُٹھو، اب کھڑے ہو کر آرڈر دیا۔ میرے غلامو! اُٹھو، ہر ایک کے پہلو سے ایک آدمی اُٹھ بیٹھا۔ کہا: ذرا ان کو وہ چیز دکھا دو جو تم اپنے لباس میں چھپائے ہوئے ہو۔ ایک دم سے فضا میں سترہ بجلیاں لہرائیں، برانڈ نیو خنجر چمکتا ہوا، ہر ایک نے اپنے لباس سے نکالا، فضا میں سترہ خنجر لہرائے، وہ لوگ ذرا وہ ہوئے پھر اس کے بعد سنبھل گئے۔ کہا: ابوطالبؑ کیا مطلب؟ کیا تم نے ہم سب کے قتل کا بندوبست کیا تھا؟

دیکھئے یہ ہیں ابوطالبؑ، پہچانئے ابوطالب کون ہیں، خاندان دیکھئے گھرانا دیکھئے، کہا رات سے میرا بھتیجا نہیں آیا تھا، میں پریشان تھا میں نے سوچا کہ کہیں تم لوگوں نے کوئی بدمعاشی نہ کی ہو، میں نے ان غلاموں کو یہ کہہ کے بٹھا دیا تھا کہ تمہارے پیٹ چاک کر دیے جائیں اگر میرا بھتیجا نہ ملے، اور آئندہ کے لیے کان

کھول کے سن لو، اگر کسی نے میرے بھتیجے پر ہاتھ اُٹھایا تو اپنے کو پہلے مُردوں کی فہرست میں لکھ لے اس کے بعد حرکت کرے ــــــ (صلواۃ)

اگر کسی کے دل میں اس طرح کی خواہش ہو کہ ان کی زندگی کے چراغ کو بجھائیں گے ہم تو پہلے اپنا نام مُردوں کی فہرست میں لکھوا دے۔ اس کے بعد آ کے یہ کام کرے اس لیے کہ دوسرے دن اس کی میت کہیں پڑی ملے گی۔ زندہ نہیں بچے گا وہ، سمجھے آپ یہ تھی وہ پڑیا کہ جس کے اُوپر حفاظت کی ہے کہ ہر ایک کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ مار تو ڈالیں، ہم ان کو مگر زندہ نہیں رہیں گے، اور یہی ایمان ابوطالبؑ کی دلیل ہے، ابوطالبؑ مزاجِ کفر اچھی طرح جانتے تھے کہ کافر جتوں کے نام پر قتل تو کر سکتا ہے مگر قتل نہیں ہو سکتا ــــــ (صلواۃ)

عزیزانِ گرامی ــــــ!

کیا ہم سے لوگ تاریخ کی بات کرتے ہیں اور واقعات کی بات کرتے ہیں، یہ واقعہ جس رُخ سے میں نے پڑھ دیا اور جس دلچسپی سے آپ نے سن لیا، اور جتنا آپ خوش ہوئے اتنا واقعہ کو سن کر کے، کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ بنی اُمیہ کے دربار میں یہ واقعہ اسی طرح سے پڑھا جا سکتا تھا؟ کیا نسلِ ابوسفیان سے تختِ حکومت پر بیٹھے ہوئے بادشاہ سلامت اپنے دادا کی ناکامی اور اپنے دشمن کے دادا کی کامیابی کا واقعہ اسی لطف سے سن لیں گے؟ تو وہ تاریخ جو اس زمانے میں مرتب ہو، وہ واقعات جو اس دور میں لکھے جائیں، وہ قلم جو اس حکومت کے بکے ہوئے ہوں، اس سے کیا آپ اندازہ کریں گے کہ آپ کے پاس صحیح واقعات آئیں گے؟

عزیزانِ گرامی ــــــ!

سچائی کی تلاش لوہے کے چنے ہیں، آج کے زمانے میں، مَیں آپ کو تاریخ سنا رہا ہوں، حضور سرورِ کائنات تبلیغ کر رہے ہیں، کفارِ قریش جن کی لیڈر شپ بنی

اُمیہ کے ہاتھ میں ہے، سرور کائنات کی مخالفت کر رہے ہیں، یہاں تک کہ مسلمان اتنے ستائے گئے، اتنے ستائے گئے کہ آخر میں رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کے ایک سیکشن کو بحکمِ خدا ہجرت دیا، اور مسلمانوں کی فیملی تھوڑی سی مکے سے ہجرت کر کے ایتھوپیا گئی، حبش مکہ سے ہجرت کر کے مسلمان افریقہ چلے گئے، ایک بڑی پریشانی کی بات یہ آگئی ہے کہ ہندستان کے کالجوں سے جغرافی غائب ہو گئی ہے۔

خیر بہرحال یہ مکے سے افریقہ چلے گئے، ایتھوپیا، حبش، وہاں کا بادشاہ کرسچین تھا۔ یہ ہجرت جو ہوئی یہ اسلام کی پہلی ہجرت ہے اور اس ہجرت کا نام ہجرتِ حبشہ ہے۔ یہ مسلمانوں نے پہلی ہجرت کی حبش کی طرف۔ اس ہجرت کے لیڈر جو تھے وہ جناب جعفر طیارؓ تھے۔ رسولؐ اللہ کے چچازاد بھائی اور مولا علیؑ کے سگے بڑے بھائی۔ جناب جعفر، ان کی لیڈر شپ میں مسلمانوں کا ایک قافلہ، جس میں عورتیں، مرد اور بچے بھی شامل تھے، مسلمانوں کی تھوڑی سی فیملی یہاں سے اپنی جان بچا کے، دین بچا کے، ایتھوپیا گئی۔ وہاں جا کے یہ غریب رہنے لگے، وہ بادشاہ کرسچین تھا مگر ایمان دار تھا اور ظالم نہیں تھا، انصاف پسند بادشاہ تھا۔ ابوسفیان کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمان ہجرت کر کے ایتھوپیا چلے گئے ہیں اور وہاں خیریت سے رہ رہے ہیں تو اس کو بڑی پریشانی ہوئی اور بڑی تکلیف ہوئی۔ اور یہ کافروں کا ایک ڈیلی گیشن لے کے ایتھوپیا گیا، اور سب سے پہلا کام اس نے جو کیا وہ یہ کہ بادشاہ کے دربانوں اور محل کے جو قریبی لوگ تھے، ان کو اس نے رشوت دی اور بادشاہ سے ملنے کا ٹائم لیا، ان لوگوں نے رشوت لے کے ایسا range کیا کہ اس کو بادشاہ سے ملا دیں، چنانچہ یہ شخص بادشاہ کے پاس گیا، اور اس سے کہا کہ اے بادشاہ! ہم لوگ قریش ہیں اور مکہ کے شریفوں اور سرداروں میں ہیں۔ ہمارے یہاں کے کچھ بدمعاش جنھوں نے ہماری سوسائٹی کو ڈسٹرب کر دیا ہے، بھاگ کے چلے آئے ہیں۔ وہ ہمارے یہاں wanted ہیں،

لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ تو انھیں ہمارے حوالے کردے اور ہم ان کو لے جائیں۔ وہ تجربہ کار بادشاہ تھا،اس نے ان کی پوری بات سنی، کہا کہ ایسا ہے کل ہم ان کو بھی بلائیں گے،تم کو بھی بلائیں گے، آمنے سامنے بات کرلینا۔ جیسا کچھ ہوگا کل ہی فیصلہ ہوجائے گا، اب یہ کیا کرے گا واپس، دوسرے دن کا اس نے ٹائم دے دیا اور کہا: ان لوگوں کو بھی بلاؤ اور ان کو بھی بلاؤ۔ دوسرے دن ڈیلی گیشن آئے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ اس کا دربار عام لگا ہوا ہے۔ چونکہ کرسچین بادشاہ تھا، لہٰذا صلیبیں بھی تھیں اور دربار میں جو مولویوں کا، یعنی مذہبی جو ہیڈ ہوتے ہیں، یعنی فادرس جو ان کے تھے، ان کی بھی کرسیاں تھیں۔ وہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے ہیں، بائبل بھی ان کے سامنے رکھی تھی وہ بائبل بھی ہے اور پورا دربار لگا ہوا ہے۔تو دونوں ڈیلی گیشن بلائے گئے۔ مسلمانوں کا ڈیلی گیشن جس کی لیڈرشپ جناب جعفر کر رہے تھے اور کافروں کا ڈیلی گیشن جس کی لیڈرشپ ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی، جیسے ہی ابوسفیان اور اس کے ساتھی آئے انھوں نے فوراً جھک کے بادشاہ کے تخت کے سامنے سجدہ کیا۔ ارے ٹھیک ہے جبین فری ہے ہر ایک کے سامنے سجدے کے لیے یہاں بھی کیا بُرا ہے، جو اس کی تعظیم کا دستور تھا، اس کے حساب سے کھٹ سے انھوں نے سجدہ کیا۔ یہ سجدہ کرکے اُٹھے ہی تھے کہ فوراً مسلم ڈیلی گیشن بھی ساتھ ہی ساتھ انٹر ہوا دربار میں، اور وہ سیدھے چلتے ہوئے آئے جہاں پر ان کو آنا تھا اور آن کے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اس نے بادشاہ کی سرکشی زیر کرنے کے لیے اور اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اور اس کے جذبات بھڑکانے کے لیے فوراً اعتراض کیا کہ دیکھا آپ نے، ان بدتمیزوں نے آپ کی تعظیم بھی نہیں کی، اور فوراً جناب جعفر نے جواب دیا کہ ہم مسلمان ہیں سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ دیکھئے یہ آج سے چودہ سو برس پرانا واقعہ ہے مگر صبح قیامت تک کے واسطے انسانوں کے واسطے سبق ہے، کہ جو لوگ خوشامد میں

اپنی پیشانیاں دوسرے کے سامنے جھکا دیا کرتے ہیں ان کے سر بھی جاتے ہیں اور عزت بھی جاتی ہے اور وہ جو اللہ پر بھروسہ کر کے اپنے سر کو بلند رکھتے ہیں، ان کا سر کٹ جائے مگر جھکتا نہیں ہے، کبھی بھی ــــ (صلواۃ)

بات چیت شروع ہوئی، اس نے کہا: ہاں آپ بتاؤ کیا کہتے ہو؟

کہا: اے بادشاہ! یہ لوگ بہت زیادتی کر رہے ہیں، انھوں نے ہمارے معاشرے کو ڈسٹرب کیا ہے اور ہمارے خداؤں کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ بڑی پرانی بات ہے، گالیاں دیتے ہیں، یہ سمجھئے کہ چودہ سو برس سے معاملہ چل رہا ہے، یہ لا الٰہ الا اللہ جو ہے یہ گالی ہے، کس کے لیے گالی ہے؟ جو لات وجبل کے ماننے والے ہیں۔ دیکھیے ــــ!

ہرگز ہرگز مسلمان گالی نہیں دیتے تھے، اس لیے کہ اسلامی تہذیب ہی یہ نہیں ہے گالی بکنا، مسلمان ہو کے کسی کو آپ مسلمان کی حیثیت سے گالی دیں یہ ممکن نہیں ہے ــــ سمجھے آپ؟

تو مسلمان گالیاں نہیں دیتے تھے بالکل جھوٹ ہے کہ مسلمان لات وجبل کو یا کفار کو یا ان کے بتوں کو گالیاں دیتے تھے۔ مسلمان کچھ نہیں کہتے تھے۔ مسلمان صرف یہ کہتے تھے: لا الٰہ الا اللہ۔ کافر کہتے تھے کہ یہ گالیاں بکتے ہیں، جو رسولؐ اللہ کے دشمن تھے کل انھوں نے سنا محمدؐ رسول اللہ تو کہتے تھے کہ گالیاں بکتے ہیں، آج ہم کہتے ہیں علی ولی اللہ تو کہتے ہیں کہ گالیاں بکتے ہیں ــــ (صلواۃ)

تو یہ گالی بکنے والا معاملہ جو ہے، ڈکشنری میں بھی گالیاں بہت کم لکھی جاتی ہیں، یہ تو بس سڑک ہی پر آدمی سیکھتا ہے۔ لیکن معلوم ہوا جو جس کے نظریے کے خلاف بات ہوتی ہے وہ اس کی اصطلاح میں گالی ہے۔

تو عزیزانِ گرامی ــــ! انھوں نے کہا: یہ ہمارے خداؤں کو گالیاں دیتے

ہیں اور انھوں نے ہماری سوسائٹی کو ڈسٹرب کیا ہے، اب میں کیا بتاؤں آپ سے، یہ گھڑی کی سوئی مجھے بہت ستاتی ہے۔ اب شاید آپ کو ایک دن انتظار کرنا پڑے گا۔ اس ڈیلی گیشن کو آپ ابھی بادشاہ کے دربار میں چھوڑیے، بادشاہ انصاف پسند ہے، یہ ڈیلی گیشن کل تک خیریت سے رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کو جناب جعفر کی تقریر نہ سنائیں تو پھر وہی تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اور اگر جناب جعفر کی تقریر سنادیں تو مجمع کے ساتھ کل کی مجلس کے ساتھ، جس کو لوکل پکڑنا ہے، اس کے ساتھ ناانصافی ہوجائے گی۔

لہٰذا اب یہ بات کل دیکھا جائے گا، آج تو صرف اتنا کہ یہ سمجھ لیجیے آپ کا ایک گھرانا وہ ہے جس کے لوگ اسلام کے راستے میں کوشش کر رہے ہیں اور ایک گھرانا ہے جس کے لوگ کفر کے راستے میں کوشش کر رہے ہیں۔ کیا غضب کی بات ہے کہ اس واقعہ کے ساتھ پینسٹھ برس کے اندر اندر اسی ابوسفیان کا پوتا، امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین کا ٹائٹل لے کر محافظِ اسلام بنا ہوا تختِ حکومت پر بیٹھا ہے، اور وہی جو رسولؐ تھے ان کا نواسہ اور حضرت جعفر کا بھتیجا اور وہ علیؑ جو ہر منزل پر محافظِ رسولؐ رہے ان کا بیٹا اور وہ ابوطالبؑ جنھوں نے رسولؐ کی جان کی حفاظت کی ان کا پوتا کربلا کے میدان میں اپنے بہتر ساتھیوں سمیت شہید کیا جا رہا ہے۔

ذکرِ مصائب!

خود واقعۂ کربلا انسانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے اور انسانوں کو سچائی کی تعلیم دینے کے لیے بہت ہے۔ جہاں حسینؑ کھڑے ہو کے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ تمام روئے زمین پر میرے سوا تمھارے نبی کا کوئی نواسہ موجود نہیں ہے۔ یہ بتاؤ، کیا میں نے دین کو بدل دیا، یہ بتاؤ کہ کیا میں نے حلالِ محمدی کو حرام کر دیا، یہ بتاؤ کہ

کیا میں نے حرام محمدی کو حلال کر دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ کیا میرے ذمہ کسی کا خون باقی ہے، یہ تم لوگ مجھے کیوں گھیرے کھڑے ہو؟ اور ان ظالموں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ حسینؑ سے کہتے ہیں کہ تم بیعت یزید کر لو، ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں، اللہ اللہ کجا بیعت یزید اور کجا رسولؐ اسلام کا نواسہ!!

استغفر اللہ ـــــ حق والے دین بیچا نہیں کرتے اور اہلِ حق ایمان فروشی کی لعنت سے بہت دُور ہیں۔ ایک دو پہر بہتر سر کٹ تو گئے مگر روشنی اتنی پھیل گئی کہ آج تک یہ مجمع ہے۔ ایک شاعر کا شعر مجھے بہت پسند ہے وہ آپ کو سنا دوں، وہ کہتا ہے:

تذکرہ مظلومیؑ شہ کا زمانے بھر میں ہے
چھپ چکا ہے چاند لیکن روشنی ہر گھر میں ہے

خدا قسم! کربلا میں جو ایک چاند نکلا تھا وہ نہ جانے کتنا روشن چاند تھا کہ اس کو چھپے ہوئے ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ گزر گئے مگر آج تک اس کی روشنی محسوس ہو رہی ہے۔

حسینؑ! آپ پر ہماری جانیں فدا، آپؑ نے شہادت کا ایک ایسا عنوان اختیار کیا کہ جو انسانی دلوں کو توڑ دے اور جب کسی واقعہ کا تعلق انسانی دلوں سے ہو جائے تو جب تک سینوں میں دل دھڑکتے رہیں گے اس وقت تک دلوں میں لفظ حسینؑ لکھا رہے گا، بہت آسان تھا کہ محمدؐ کا نواسہ اسّی، نوے ہزار، لاکھ سوا لاکھ کا لشکر لے کر یزید کے سامنے آجائے اور یہ بھی ممکن تھا کہ بنی ہاشم کے شیر اپنے دوسرے بہادر ساتھیوں کے ساتھ شام کے بزدل لشکر کے ٹکڑے اُڑا کر تختِ اقتدار پر قبضہ بھی کر لیں، لیکن دنیا میں ایسی لڑائیاں تو بہت ہوئیں، ایسی لڑائیوں کی کمی نہیں ہے کہ میدانِ جنگ میں آن کے ایک لشکر نے دشمن سے تخت و تاج چھین لیا ہے۔

تاریخ میں ان کے نام بھی نہیں ہیں، ان کے پتے بھی نہیں ہیں، حسینؑ ایسی

لڑائی نہیں چاہتے تھے، حسینؑ ایسی لڑائی چاہتے تھے جو صبح قیامت تک دلوں پر حکومت کرے۔ اس لڑائی کے لیے قاسمؑ کا پھول سا بدن چاہیے تھا۔ اس لڑائی کے لیے جوان عباسؑ کے شانے چاہیے تھے، اس لڑائی کے لیے نوجوان علی اکبرؑ کا چاند سا سینہ چاہیے تھا۔ اس لڑائی کے لیے چار برس کی ننھی سکینہؑ کے گوشوارے درکار تھے۔ اس لڑائی کے لیے صاحب عصمت کبریٰ کی چادر چاہیے تھی۔ اس لڑائی کے واسطے چھ مہینے کے ننھے سپاہی کا گلا چاہیے تھا۔ حسینؑ بڑے انتظام سے آئے۔

اور عزیزانِ گرامی ــــــ!

آج تک جو چیز انسانی دل کو تڑپا رہی ہے وہ حسینؑ کے ساتھیوں کی تین دن کی بھوک پیاس ہے اور امام عالی مقام نے اپنے چاہنے والوں سے دو چیزوں کا مطالبہ کیا ہے۔

دیکھیے ــــــ! یوں تو حسینؑ پر بہت سی مصیبتیں گزر گئیں، ظاہر ہے کہ حسینؑ پر جتنی مصیبتیں پڑیں اتنی کسی پر نہیں پڑیں، مگر انھوں نے دو باتوں کے لیے آپ کو یاد کیا ہے۔ فرمایا کہ اے میرے شیعو! جب پانی پینا تو میری پیاس یاد کر لینا، پیاس ایک اتنی بڑی مصیبت ہے حسینؑ کے لیے کہ جس میں آپ سے خطاب کر کے کہا ہے کہ جب پانی پینا تو میری پیاس یاد کر لیا کرنا اور جب کسی پردیسی کو سننا یا کسی شہید کے لیے سننا تو اس پر دو آنسو بہا لینا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: کاش! تم عاشور کے دن ہوتے اور سنتے کہ میں نے اپنے بچے کے لیے کس طرح پانی مانگا؟ کسی نے اس پر رحم نہ کیا۔ حرملہ کی کمان کڑکی، علی اصغرؑ کا گلا نشانہ بنا اور باپ نے کلیجہ تھاما، علی اصغرؑ نے منہ سے خون اُگلا، حسینؑ کی گودی میں حسینؑ کا بچہ شہید ہو گیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

مجلسِ پنجم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

خداوند عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ گرامی ــــ!

سلسلۂ کلام آپ کے ذہن میں ہوگا۔ ہمارے آپ کے درمیان جو گفتگو رہی، پرسوں ہماری آپ کی گفتگو نورانیت کے موضوع پر رہی، اور کل ہماری آپ کی گفتگو علم کے موضوع پر رہی۔ اور آج کے لیے یہ وعدہ تھا کہ عصمت کے موضوع پر بات ہوگی، اس لیے کہ ہمارے ہاں ایک رہبر کے لیے یہ تین بنیادی صفات ضروری ہیں:

(۱) وہ نورانی ہو (۲) وہ عالم ہو (۳) وہ معصوم ہو۔

تو نورانیت کی گفتگو ہو چکی، علم کی گفتگو ہو چکی، آج عصمت کی گفتگو ہوگی۔

سب سے پہلے میں یہ چاہوں گا کہ اپنے سننے والوں، خاص طور سے اپنے بچوں اور نوجوانوں کو، عصمت کی تعریف بتا دوں کہ عصمت کہتے کسے ہیں؟ عصمت کی تعریف ہمارے علمِ کلام میں یہ ہے:

"عصمت اللہ کا ایک لطفِ خفی ہے جو انسان کو ہر غلطی سے بچاتا ہے"۔

یہ عصمت کی تعریف ہے، عصمت کی دوسری تعریف جو عام طور پر کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کی سمجھ میں آجائے وہ یہ ہے:

"جو شخص پیدائش کے وقت سے لے کر موت کے وقت تک کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ جان کے یا بھولے سے نہ کرے وہ معصوم ہے"۔

ہمارے پاس رہبر کا معصوم ہونا ضروری ہے، رہبر کا معصوم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر رہبر معصوم نہیں ہوگا تو دین کے مسئلے میں شک رہ جائے گا کہ خدا جانے اس نے صحیح بتایا یا غلط بتایا، لہٰذا رہبر کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

اور وہی عقل، جو ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ اللہ ہونا چاہیے اور وہی عقل جو ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ رسولؐ ہونا چاہیے، وہی عقل ہم کو یہ بھی سمجھاتی ہے کہ رہبر کو معصوم ہونا چاہیے اور رہبر کو بے خطا ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں ایک آیت بھی موجود ہے، جس میں اہلِ بیتؑ کی عصمت کا تذکرہ کیا گیا ہے جو آیت آیۂ تطہیر کے نام سے مشہور ہے، جس کے اندر یہ ارشادِ پروردگار ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○ (سورۂ احزاب، آیہ ۳۳)

"اللہ نے یہ ارادہ کرلیا ہے اے اہلِ بیتؑ! کہ آپ سے ہر طرح کی برائی کو، ہر طرح کی گندگی کو، ہر طرح کے عیب کو، ہر طرح کی خرابی کو دور رکھے گا اور آپ کو اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے گا جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"۔

اس آیت کو لوگوں نے اختلاف کی آماجگاہ بنا دیا۔ ہم لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت رسولِ خدا اور بقیہ معصومینؑ کے بارے میں ہے، اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہ آیت ازواجِ رسولؐ کے بارے میں ہے۔

اگر رسولؐ کی ازواج کی شان میں بھی ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔
ہمارے پہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ مانتے نہیں ہیں۔
اگر ازواج رسولؐ کی شان میں ہو تو وہ محترم ہیں، قابلِ تعظیم ہیں۔ ہمیں اس میں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ اور کیوں ہوسکتا ہے اور ہم اعتراض کرنے والے کون ہیں لیکن ٹیکنیکلی یہ آیت ازواج کی شان میں نہیں آسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے سے موت تک چھوٹا یا بڑا گناہ کوئی نہ کرے۔ بہت سی ازواج ایسی گزری ہیں اعلانِ رسالتؐ سے پہلے پیدا ہوئیں اور ان کی زندگی کا کچھ عرصہ حالتِ کفر میں گزرا تو وہ کیسے معصوم کہی جا سکتی ہیں۔
اب لوگ کہتے ہیں: جی ! نہیں، یہ تو پاک دامنی کا اعلان ہے۔
تو اگر پاک دامنی کا اعلان ہے تو اس کے لیے اتنی لمبی چوڑی آیت کی کیا ضرورت تھی۔ ہم تو ویسے ہی رسولؐ کی ازواج کو پاک دامن مانتے ہیں اور رسولؐ کیا، حضرت حواؑ سے لے کر حضرت سرورِ کائنات تک جتنی پیغمبروںؑ کی بیویاں ہیں، سب کو ہم پاک دامن مانتے ہیں اور پاک دامنی کے لیے ازواج رسولؐ کا نام لینا یہ بہت بڑی بات ہے۔ ویسے تو اچھے لوگوں کی بیویاں بھی پاک دامن ہوتی ہیں۔
بہرحال ــــــ !
"اس طرح پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے" یہ پاک رکھنے کا حق کیا ہے؟
ارے بھئی ــــــ !
ہمیں جو نماز پڑھنی تھی آپ کے گھر میں وضو کرنا تھا، وہاں ایک لوٹے میں پانی رکھا تھا، ہم نے اس سے وضو کرلیں؟
کہا گیا: پانی پاک تو ہے مگر ویسا پاک نہیں ہے جیسا پاک ہونے کا حق ہے۔

ارے!

ایک بات کہیے، اگر پاک ہے تو ٹھیک، نہیں پاک ہے تو ہم کہیں اور جاتے ہیں اس وضو کے لیے۔

اہلِ بیتؑ پاک ہیں، اللہ کہہ رہا ہے۔ ہم نے ایسا پاک کیا ہے کہ جیسا پاک رکھنے کا حق ہے تو یہ کیسا پاک کیا ہے جو پاک کرنے کا حق ہے؟

اب عزیزانِ گرامی توجہ چاہتا ہوں!

رسولؐ اور آلِ رسولؐ ویسے پاک ہیں جو پاک ہونے کا حق ہے۔

الحمدللہ! ہم بھی پاک ہیں۔ اسلام جب پاکیزہ دریا ہے، جو اس سے گزر جاتا ہے پاک ہو جاتا ہے تو پاک ہم بھی ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نے ہمارے ظاہر کو پاک کیا۔ علیٌ وَلِیُّ اللّٰہ نے ہمارے دل کو پاک کیا۔۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

نکاح نے ہمارے نسب کو پاک کیا، زکوٰۃ و خمس نے ہمارے مال کو پاک کیا۔ ہم بھی پاک ہیں، ایسی بات نہیں ہے کہ ہم پاک نہیں ہیں۔ مگر ویسے پاک نہیں ہیں جو پاک ہونے کا حق ہے۔

میں باوضو بھی ہوں اور اپنے یقین و اطمینان کی حد تک کپڑے بھی میرے پاک ہیں اور جسم بھی پاک ہے اور منبر پر حاضر ہوں۔

جہاں تک میرے علم و یقین کا سوال ہے۔ میرا لباس بھی پاک ہے، میرا جسم بھی پاک ہے۔ میں باوضو بھی ہوں لیکن ان باتوں کے باوجود ویسا پاک نہیں ہوں جو پاک ہونے کا حق ہے۔ اس لیے کہ نجاست ہر وقت میری ناک میں ہے۔ تقریر کے زور میں ہاتھ جو ہے وہ اس مائیک سے ٹکرایا۔ اس میں اتنا سا ایک تار نکلا ہوا تھا۔ اس سے ٹکرا گئی انگلی، وہ کٹ گئی، اس سے نکلا خون، وہ خون تھا نجس۔ وہ لگا رومال میں،

رومال نجس ہوا، اس سے میں نے ہاتھ صاف کیا، ماتھا نجس ہوا، پسینہ ٹپک کر گرا کپڑوں پر، کپڑے نجس ہوئے۔

دیکھئے ____!

پاک تھا لیکن نجس ہو گیا۔ ہم بے شک پاک ہیں لیکن نجاست کی بریکٹ میں ہیں۔ جب پیدا ہوئے تو نجس تھے، پاک کر دیئے گئے تو پاک ہو گئے۔ جیسے ہی موت آئی پھر نجس ہو جائیں گے۔ پھر پاک کر دیئے جائیں گے تو پاک ہو جائیں گے۔ تو اُدھر بھی نجاست اور اِدھر بھی نجاست، پاک ہیں مگر ویسے پاک نہیں ہیں جو پاک ہونے کا حق ہے۔

عزیزانِ گرامی ____!

روح پاک، جسم پاک، نفس پاک، تب پاک ہونے کا حق ملتا ہے۔ پاک ہم آپ بھی ہیں مگر ذرا سے نجاست کا شبہ ہے۔ اہلِ بیتؑ وہ ہیں جن کا جسم پاک، جن کی روح پاک، جن کا نفس پاک۔

دلیل سنئے ____!

جسم پاک، ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوتی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

روح پاک ____ دلیل سنیں گے آپ؟!

پہلے لوگوں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ ایک حکمِ پروردگار نے آکر سب کے دروازے بند کر دیئے مگر علیؑ کا دروازہ کھلا رہا۔ ہر حالت میں مسجد میں آجا سکتے ہیں، دلیل یہ ہے کہ روح پاک۔

اب آیئے ____ تیسری دلیل سنئے!

نفس پاک، دلیل یہ ہے کہ اللہ نجس مال کا خریدار نہیں ہوتا، شبِ ہجرت اللہ نے علیؑ کا نفس خرید لیا۔ (نعرۂ حیدری)

سمجھے آپ ــــــ!

یہ جو حق ہے پاک ہونے کا، اِن کی طہارت اور ان کی عصمت اور ان کی پاکیزگی، یہ کوئی فضیلت نہیں ہے کہ جس پر جھگڑا ہو۔

دیکھیے ــــــ!

جھگڑا ہمیشہ فضیلت پہ ہوتا ہے۔ مذہب کی ضرورت ہے رہبر کا معصوم ہونا، مذہب کی need ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں، یہ مثال ہے، سچی بات نہ مان لیجیے گا۔

مثال یہ ہے کہ ایک صاحب نے جو بڑے اللہ کے فضل سے مال دار ہیں، یہ اعلان کیا کہ جو لوگ یہاں ایرانی مسجد میں مجلس میں آتے ہیں، ہم ان کو تحفہ دیں گے، لیکن سب کو وہ تحفہ نہیں دے سکتے۔ ہم پچاس تحفے دیں گے، جتنے لوگ آئیں گے سب کو ٹوکن بانٹ دیں گے، جس کے نام نکل آئے گا، ان کیا کیا ہوگا؟

کہا: اس کے اندر کاریں ہوں گی، موٹر سائیکلیں ہوں گی، بڑے والے فریج ہوں گے۔

ارے ــــــ!

سب بڑے مہنگے تحفے ہوں گے۔ پھر یقین مانئے بغیر پولیس کے مجمع کنٹرول نہیں ہو سکے گا۔

دوسرا اعلان ہوا: ارے بھائی! مسجد کے اندر کچھ کام ہوتا ہے، لہٰذا کل جو مجلس میں چندہ اکٹھا کریں گے تو آپ لوگ کیش یا چیک بک لے کر آئیے گا۔

اس دن ایسی مجبوریاں بعض حضرات کو ہو جائیں گی کہ آدھے آدھے راستے سے لوگ پلٹ گئے۔ . . ٹیلی فون آ گئے کوئی کام پڑ گیا۔

بیٹا۔ جب فضیلت ہوگی تو بھیڑ بڑھے گی۔ اگر ضرورت ہوگی تو بھیڑ نہیں

بچے۔

عصمت جو ہے وہ فضیلت نہیں ہے، عصمت جو ہے وہ دین کی ضرورت ہے، اور اماموں کا معصوم ہونا بھی دین کی ضرورت ہے۔

اس لیے کہ آپ کیسا دین چاہتے ہیں؟ مجھ کو بتایئے ایسا دین چاہتے ہیں جس میں شک وشبہ ہو، یا ایسا دین چاہتے ہیں جس میں شک وشبہ نہ ہو؟

آپ مجھے بتایئے کہ آپ کیسا دین چاہتے ہیں؟ ایمان کی تعریف ہی قرآن میں یہ دی گئی ہے کہ جس میں شک وشبہ نہ ہو، وہ ایمان ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا (سورۂ حجرات، آیہ ۱۵)

"مومن بس وہ لوگ ہیں جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائیں اور اس میں شک نہ کریں"۔

جہاں دل میں شک پیدا ہو جائے وہاں ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ رسول کا معصوم ہونا اور امامؑ کا معصوم ہونا مذہب کی ضرورت ہے۔ اگر رسولؐ اور امامؑ معصوم نہیں ہوں گے تو مذہب کے اندر شک وشبہ پیدا ہو جائے گا۔

رسولؐ کا کام ہے دین کو اللہ کی طرف سے لے کر ہم تک پہنچانا، امامؑ کا کام ہے جو کچھ رسولؐ نے پہنچا دیا ہے وہ اللہ اور رسولؐ کی مرضی کے مطابق بتانا۔

اس کے اندر اگر ایک فیصد بھی غلطی کا امکان ہوگا تو مذہب میں شک، شبہ پیدا ہو جائے گا، اور جہاں مذہب میں شک وشبہ پیدا ہو جائے تو ایمان رخصت ہو جائے گا۔

آپ جتنی چاہے میرے لیے واہ واہ کر لیجیے۔ آپ کے منہ میں زبان ہے، آپ اپنی مسجد کے ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں، کر لیجیے واہ واہ! غیر آ کر اعتراض کرے تو اس کا جواب دیجیے کہ آپ کے رسول کوئی کتاب چھوڑ کر نہیں گئے ہیں ایسی کہ جس

میں ہر صفحے پر ان کے دستخط ہوں۔ آخر میں ان کا سرٹیفیکیٹ ہو کہ یہ پوری کتاب میں نے پڑھی ہے، یہی وہ دین ہے جو مجھے اللہ نے دیا تھا میں لایا ہوں؟

ایسی کوئی کتاب آپ کے پاس نہیں ہے، آپ کے پاس جو اسلام ہے وہ صرف اور صرف memory کے سہارے ہے۔ کیا انسانی memory اتنی perfect ہوتی ہے کہ جو کہا جائے اس کو یاد رکھے؟

کل بھی میں نے مجلس پڑھی تھی یہاں اور آپ نے دل کھول کر میری تعریف بھی کی تھی، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کل جو میں نے پڑھا تھا وہ مجھے آن سنا دیجیے۔

آپ میں ایک سے ہی پڑھے لکھے آتے ہیں۔ ایک سے ایک اسکالر آتے ہیں۔ اگر آپ اکیلے نہیں کر سکتے تو دس پندرہ آدمی اکٹھے ہو کر میری کل کی مجلس لکھ دیجیے۔

تو میں معمولی آدمی ہوں، آپ ہی میں سے ایک آدمی ہوں۔ نہ عالم ہوں، نہ اسکالر ہوں، نہ ولی ہوں، نہ نبی ہوں، نہ امام ہوں، نہ پیشوا ہوں، ایک عام سا آدمی ہوں۔

ایک معمولی سے انسان کی ایک گھنٹے کی تقریر، اتنا بڑا مجمع جو ساری دنیا میں مجھے سن رہا ہے، وہ میری تقریر جسے میں نے پڑھا ہے، ویسے نہیں لکھ سکتا۔ تو سب سے بڑے رسولؐ کی تیس برس کی پھیلی ہوئی تبلیغ کوئی کیسے لکھ سکتا ہے؟

آپ کیا بات کر رہے ہیں، سب سے بڑے رسولؐ کی تیئیس برس تک پھیلی ہوئی تقریر کیا آپ یادداشت کے سہارے یاد رکھو گے؟ اور یادداشت کے سہارے یاد کیسے رہے گی؟

آپ کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس کا جائزہ لیجیے۔ ہم پوچھنے سے پہلے آپ

ہم سے بات کیجیے۔

دیکھیے ــــــ!

اگر آپ ہماری بات میں معقولیت ہے تو اس کو قبول کیجیے۔ اگر ہماری بات معقولیت سے نہیں ہے تو اس کو معقولیت سے reject کر دیجیے ــــــ (صلوٰۃ)

عزیزانِ محترم ــــــ!

رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا:

اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے"۔

مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاتِ الْبَابَ

"جس کو علم سیکھنا ہو وہ دروازے تک آئے"۔

اور عزیزان گرامی ــــــ!

خدا بُرا کرے تعصب کا، جو کوئی تعصب کی آگ بھڑکائی اہلِ بنو اُمیہ نے، اس کی وجہ سے اسلام میں اختلافات زیادہ ہو گئے، ورنہ جب رسولؐ اس دنیا سے گئے تھے تو بزرگانِ اسلام علیؑ سے پوچھنے آتے تھے اور علیؑ سے مسائل پوچھ کر جاتے تھے، یہ تو بعد میں درِ علیؑ کو چھوڑ دیا گیا اور جب چھوڑ دیا گیا تو اختلافات کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔

تو حضور ــــــ!

عصمت کی دین کو ضرورت ہے، اس لیے کہ کہاں سے لے کر چلیں گے آپ اس معاملے کو، یہ جو حدیث کی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ حضورؐ کے اڑھائی اڑھائی سو برس بعد لکھی گئی ہیں۔ کوئی کام اڑھائی سو برس بعد ہوا ہے، کوئی کام ڈیڑھ سو بعد ہوا ہے۔ کوئی کام سو برس کے بعد ہوا ہے۔

یادداشت کے سہارا آپ کس کس پر بھروسہ کرو گے۔ آپ ہمیں بتایئے!
لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام میں عصمت کا نظام ہو، رسولؐ معصوم ہو، تا کہ دین کے پہنچانے میں غلطی نہ کرے۔ امام معصوم ہو تا کہ دین کو بیان کرنے میں غلطی نہ کرے۔

غور فرمایا آپ نے ــــــ!
یہ دونوں معصوم ہونے چاہییں، دو سلسلے ہیں رہبری کے: ایک دین کو لانے والا سلسلہ، اس کا نام رسالت ہے، ایک دین کو بتانے والا سلسلہ، اس کا نام امامت ہے۔

یہ بچے اچھی طرح سمجھ لیں ــــــ!
دو سلسلے ہیں دین کے: ایک دین لانے والا سلسلہ جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر جناب رسولؐ خدا پر تمام ہوتا ہے اور ایک دین بتانے والا سلسلہ ہے جو مولا علیؑ سے شروع ہو کر بارہویں امامؑ پر تمام ہوتا ہے ــــــ (صلوات)

عزیزانِ گرامی ــــــ!
یہ دو سلسلے ہیں: یہ سمجھئے کہ یہ عصمت کے دو سمندر ہیں۔ پاکیزگی کے دو سمندر ہیں، نور کے دو سمندر ہیں، علم کے دو سمندر ہیں۔ ایک سمندر کا نام ہے رسالت، ایک سمندر کا نام ہے امامت۔ جب تک دین آتا رہے گا، کشتیاں رسالت کے سمندر میں رہیں گی، جب دین مکمل ہو جائے گا، کشتیاں امامت کے سمندر میں پہنچ جائیں گی۔

لہٰذا حضرت آدمؑ سے لے کر نبی معصوم ہونا چاہیے اور مولا علیؑ سے لے کر امامِ آخر تک امام معصوم ہونا چاہیے۔ ان دونوں کی عصمت پر دلیلِ عقل قائم ہے۔

اب بیچ میں ایک معصومہ بھی ہے، جو نہ نبی ہے، نہ امام ہے، مگر معصومہ ہے۔ عزیزو! اس کو عصمت کیوں دی گئی؟

کہا: تمہیں معلوم نہیں؟ دونوں سمندروں کو آپس میں ملانے والی نہر کا نام

فاطمہؑ ہے۔(نعرۂ حیدری)

تو عزیزانِ گرامی ــــــ!

مسئلہ جو ہے وہ یہ ہے کہ عصمت دین کی ضرورت ہے اور معصوم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ ہمیں یقین ہو سکے کہ یہ جو کچھ رسولؐ نے بتایا ہے یہ وہی کچھ ہے جو اللہ نے فرمایا ہے اور جو کچھ امامؑ نے وضاحت کی ہے یہ وہی کچھ ہے جو کچھ رسولؐ لائے ہیں اور یہ وہی ہے جو اللہ نے بھیجا ہے۔ اس کے اندر شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

تو عزیزانِ گرامی ــــــ!

بات آگے بڑھے گی کل کی مجلس میں، بات یہاں تک پہنچ گئی کہ رہبر کو عالم ہونا چاہیے، رہبر کو نورانی ہونا چاہیے، رہبر کو معصوم ہونا چاہیے۔ میں نے اس پر وقت تو صرف کیا لیکن آگے کی تاریخ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی، اس لیے کہ ہم نے آپ کو ایک کسوٹی دے دی۔ اسلام کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے، کہ آپ شوق سے تاریخ پڑھیے، جس کی لکھی ہوئی ہو، اس کی لکھی ہوئی پڑھیے۔ لیکن آپ کے پاس یہ کسوٹی رہنا چاہیے جہاں آپ کو کوئی ایسی روایت یا قول ملے جس سے ان کے علم پر دھبہ آرہا ہو تو سمجھ لیجیے غلط ہے۔ جہاں آپ کو کوئی ایسی روایت یا قول ملے کہ ان کی عصمت پہ داغ لگ رہا ہو تو سمجھ لیجیے غلط ہے۔ جہاں آپ کو ایسی روایت یا قول ملے کہ ان کی نورانیت پہ حملہ ہو رہا ہو، تو سمجھ لیجیے غلط ہے۔

اب جہاں نورانیت، علم وعصمت کے ساتھ مضمون ملتے جائیں تو سمجھتے جایئے کہ یہ صحیح مضمون ہیں۔ یہ میں نے آپ کو تاریخ پڑھنے کی کسوٹی بتا دی۔

ذکرِ مصائب!

بات ان شاء اللہ کل آگے بڑھے گی، یہ سب صدقہ ہے حسین ابن علیؑ کا۔

آج جو تین دن سے رسولؐ کے علم، نور اور عصمت پر گفتگو ہو رہی ہے، یہ کیا ہے؟

اگر محرم نہ ہوتا، اگر مجلسِ حسینؑ نہ ہوتی تو آپ ہمیں ملتے کہاں جو ہم یہ پیغام آپ کو دیتے۔

سلام آیا تھا نبیؐ کے نواسے کے دروازے پہ، آیا تھا ایک سر کا طالب بن کے، باپ نے ایک سائل کو روٹی کے بدلے اُونٹوں کی قطار دے دی۔

جب بیٹے کے دروازے پہ اسلام آیا، زندگی کی بھیک مانگنے۔ کہا: اے نانا کے دین! تجھے میں اتنا کچھ دے دوں گا کہ صبح قیامت تک تجھے کسی کے دروازے پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔

حسینؑ کے در سے بٹ رہا ہے، اور اس طرح بٹ رہا ہے، وہ کیا کسی بادشاہ کے دربار سے بٹے گا جو حسینؑ کی بارگاہ سے بٹ رہا ہے۔

اور عزیزانِ گرامی ـــــ!

کریم کے دَر سے جو بٹتا ہے وہ عزت، آبرو بچا کے بٹتا ہے۔ ہماری جانیں نثار ہو جائیں، ایسے چاہنے والے لے کر آئے، جن کی جانیں اسلام پر فدا تھیں۔

تاریخ بتاتی ہے: حسینؑ کے چاہنے والے، اور حسینؑ کے جانثار! یہ وہ زمانہ ہے یہ وہ تاریخیں آ گئیں جن میں اصحابِ حسینؑ کا تذکرہ ہوتا ہے۔

انصارِ حسینؑ میں ایک بڑا نمایاں نام ہے جناب مسلمؓ ابن عوسجہ کا، بڑی شان سے لڑے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب دشمن قریب آ جاتا تھا، تلوار پھینک کر لڑتے تھے۔ جب دشمن دُور بھاگ جاتا تو نیزہ لے کر لڑتے تھے۔ لڑتے لڑتے زخموں سے چُور ہو کر گرے۔ امامؑ پہنچے سرہانے، امامؑ کے ساتھ جناب حبیب ابن مظاہرؓ بھی گئے، امامؑ نے زانو پہ سر رکھا۔ حبیبؓ سامنے بیٹھے۔ مسلمؓ آخری سانسیں لے رہے تھے۔

حبیبؓ نے آواز دی: مسلمؓ! جہاں تم جا رہے ہو وہیں میں بھی آ رہا ہوں، لیکن

اگر کوئی تمنا ہو تو کہتے جاؤ۔

یہ مسلمؓ نہیں ہے، صبح قیامت تک ہم کو یہ سبق دے رہے ہیں۔ دم نکل رہا ہے، سانس اُکھڑ چکی ہے، اور کہا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں: آگے آواز تو نکلی بس! ہاتھ کے اشارے سے حسینؑ کی طرف اشارہ کیا: ان کے لیے وصیت کرتا ہوں، ان کا خیال رکھنا۔

مسلمؓ کی میت لے کر آئے حسینؑ، اِدھر مسلمؓ کی میت آئی اُدھر مسلمؓ کے خیمے کا پردہ اُٹھا۔ ایک کمسن بچہ نکلا۔

حسینؑ نے کہا: پلٹ جا تیری ماں کے لیے تیرے باپ کا غم بہت ہے۔

بچے نے کہا: مولاؑ! میری ماں ہی نے تو تلوار باندھ کے بھیجا ہے۔ اور پسِ پردہ سے ایک بی بی نے آواز دی:

آقا! کنیز کا دل ٹوٹ جائے گا، ہدیہ رد نہ کیجیے۔

عاشور کے دن نفسیاتِ انسان ہی بدل گئے تھے۔ ماں بیٹے نے اس طرح حسینؑ کی خوشامد کی کہ امامؑ نے اجازت دے دی۔ بچہ مقتل میں آیا۔

روایت بتاتی ہے کہ دونوں ہاتھوں میں تلوار پکڑ کے لڑا۔ چند آدمیوں کو قتل کیا۔ آخر میں دشمنوں نے گھیر کے اس کا سر کاٹ لیا۔ مادر خیمہ سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ سر لے کر ماں کی طرف پھینک دیا۔ ماں نے سر اُٹھایا، گود میں ڈالا۔ کہا: مرحبا! میرے لعل! تو نے مجھے فاطمہ زہراؑ سے سرخرو کر دیا۔

میں کہتا ہوں: ارے! ماؤں بچوں کو عصرِ عاشور کو بلاؤ، حسینؑ اکیلے ہیں۔ کوئی نیزہ مارتا ہے، کوئی تلوار مارتا ہے، کئی ظالموں نے جھولیوں میں پتھر بھرے ہوئے ہیں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

مجلسِ ششم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

ہمارے آپ کے درمیان جس موضوع پہ گفتگو ہے، وہ موضوع ہے: "تاریخ اسلام تعلیمات اہلِ بیتؑ کی روشنی میں"۔

میں نے آپ کی خدمت میں گذشتہ مجلسوں میں جو چیز عرض کی وہ یہ ہے کہ تاریخ کے اندر حدیث کی کتابوں میں تفسیر کی کتابوں میں، اس کے علاوہ اسلامی واقعات کی کتابوں میں بھی ہے۔ ہم کو غلطیوں کا انبار نظر آتا ہے اور غلطیوں کے نتیجے میں۔ کبھی کبھی اعتراض کرنے والے، سیرت سرورِ کائناتؐ پر، اسلام پر، مذہب پر اعتراض کرتے ہیں۔ حوالہ ان کتابوں کا دیتے ہیں کہ اس کتاب میں ایسا لکھا ہے۔ آپ دیکھ لیجیے گا اس کے نتیجے میں ہماری قوم کے نوجوان خاص طور سے پریشان ہوجاتے ہیں۔

اور کبھی کبھی ہم لوگوں سے سوال کرتے ہیں، کتابوں کو ایسا کہہ رہے تھے۔ ایسا لکھا ہے کتاب میں اور اگر ایسا لکھا ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا۔

یہ سمجھئے ــــــ!

وہ ایک فی صد لوگ ایسے ہیں جو ہم لوگوں تک پہنچتے ہیں۔ ۹۹ فی صد جو لوگ ہیں وہ گھٹ کے رہ جاتے ہیں۔ ان کو یا تو کوئی مولوی ملتا نہیں، یا ان کی ہمت نہیں پڑتی ہے۔

بہرحال ــــــ!

۹۹ فی صد گھٹ گھٹ کے رہ جاتے ہیں، لہٰذا میں نے یہ سبجیکٹ تیار کیا اور اس بنیاد پر تیار کیا کہ میں آپ کے ہاتھ میں ایک کسوٹی دے دوں تاکہ آپ اپنے گھر بیٹھے بیٹھے جب کتاب پڑھیں تو آپ خود فیصلہ کرلیں کہ یہ روایت غلط ہے اور یہ روایت صحیح ہے۔ یہ معتبر ہے اور یہ غلط معتبر ہے۔ یہ ہم مانیں گے اور یہ ہم نہیں مانیں گے۔

اب رہ گیا کہ کس نے لکھی؟ میں پہلے مجلس میں بتا چکا ہوں کہ عالمِ اسلام میں سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ہمیں اللہ اور رسولؐ نہیں پیارے ہیں، راوی پیارے ہیں۔ کتابوں کے رائٹر پیارے ہیں، کتابیں پیاری ہیں۔ فلاں کتاب میں لکھا ہے، لہٰذا ہم کیسے نہ مانیں، فلاں کتاب میں لکھا ہے، لہٰذا ہم کیسے نہ مانیں۔ سیرتِ رسولؐ پر بُرا اثر پڑ رہا ہے، اس کی فکر کسی کو نہیں ہے۔ رسول کی سیرت رہے یا رہے ہمارا رائٹر بچ جائے۔ جس نے کتاب لکھی ہے اس کے دامن پر کوئی داغ نہ لگنے پائے۔

قرآن نے جو کہا ہے، اس سے ہمیں بحث نہیں ہے۔ ہمارے راوی نے جو کہا ہے وہ بھروسے کے قابل ہے۔ تو عالمِ اسلام جو ہے وہ راویوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔ عالمِ اسلام جو ہے وہ حدیثوں کی کتابوں کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بات جو ہے وہ بگڑتی ہے اور جب بات بگڑتی ہے، تو بدنام نہ میں ہوتا ہوں نہ آپ ہوتے ہیں۔ بدنام یا دین ہوتا ہے یا دین کے رہبر ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں

نے ایک اصول بنا کے آپ کو دے دیا کہ تین باتیں ہمیشہ پیش نظر رکھیے گا۔ اگر نورانیت کے خلاف بات آرہی ہے تو غلط ہے، اس لیے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ نورانی ہیں۔ اگر علم کے خلاف بات آرہی ہے تو غلط ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے ان کے اپنے مکتب میں تعلیم دی ہے، اور اگر عصمت کے خلاف بات آرہی ہے تو غلط ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے ان کو معصوم بنایا ہے۔

اب اگر کوئی روایت ایسی آتی ہے جو نورانیت، علم اور عصمت کے خلاف نہیں ہے تو اس کو قبول کر لیجیے، وہ روایت ضرور صحیح ہے۔

اب اس تمہید کے بعد اور اس گفتگو کے بعد میں اپنا مضمون شروع کرتا ہوں۔ ابھی تک تو میں آپ کے واسطے جو کچھ پڑھ رہا تھا، وہ ایک تمہید تھی جو میں آپ کے سامنے پڑھتا رہا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میں اپنا مضمون شروع کروں۔

کائناتِ عالم میں اندھیرا تھا، علم کی جگہ جہالت کا راج تھا۔ عدل و انصاف کی جگہ ظلم کا راج تھا۔ انسان کی جان کی قیمت نہ تھی۔ غلام آدمی نہیں سمجھے جاتے تھے، طاقت اصل چیز سمجھی جاتی تھی۔ جتھے والے جو چاہتے تھے وہ کر گزرتے تھے۔ انسانیت فریاد کر رہی تھی۔ شرافت چیخیں مار رہی تھی کہ اللہ نے اپنے بندوں پر رحم کیا اور اپنے سب سے بڑے رسول کو مکے کی سرزمین پر بھیجا۔

سرورِ کائنات کی ولادت باسعادت یکم ہجری عام الفیل، یعنی وہ سال جس سال خانہ کعبہ پر ہاتھیوں کا حملہ ہوا تھا۔ ۱۷ ربیع الاول، جمعہ کے دن، صبح صادق کے وقت مکہ معظمہ میں سرکار کی ولادت ہوئی۔

اب تاریخ ولادت کے سلسلے میں علمائے کرام کے درمیان اختلافات ہیں۔ ان اختلافات کے اُوپر آپ توجہ نہ دیجیے۔ اس لیے کہ اس میں آپ اپنا وقت ضائع کر کے کچھ حاصل نہیں کریں گے۔ رہ گیا یہ کہ ہاں میں نے جو بات پڑھی اس کی

جواب دہی میرے ذمہ ہے۔ میں نے جو بات پڑھی وہ ۱۷ ربیع الاول، جمعہ کے دن یکم ہجری عام الفیل، وقت صبح صادق، سرکارؐ کی ولادت ہوئی۔

۱۷ ربیع الاول میں نے کیسے پڑھی، میری دلیل یہ ہے کہ بہت سے معاملے ایسے ہوتے ہیں جس کے اندر فیملی کا بہت زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ آپ باون برس سے میری مجلس سن رہے ہیں، جو پہلے سال سے مجلس سن رہا ہے اس کو باون سال ہوگئے، میری مجلس سنتے۔ لیکن میری اور آپ کی باون برس کی ملاقات نے آپ کو کیا اس قابل بنایا ہے کہ آپ میری date of birth بتا سکیں؟

معلوم ہوا، ملاقات اپنی جگہ ہے، date of birth ایک بالکل ذاتی معاملہ ہے۔ یہ معلوم کرنا ہے تو میرے گھر والوں سے پوچھیے، مجلس میں آنے والوں سے نہ پوچھیے ____ (نعرۂ حیدری)

تو دیکھیے ____!

تاریخ پیدائش بھی، تاریخ وفات بھی، یہ دونوں فیملی تعلقات سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہمیں رسولؐ پاک کی تاریخ ولادت بھی معلوم ہے اور ہمیں رسولؐ پاک کی تاریخ وفات بھی معلوم ہے لیکن ہمارا تعلق سن لیجیے۔ پیدائش کی تاریخ حضرت ابوطالبؑ نے بتائی، وفات کی تاریخ مولا علیؑ نے بتائی ____ (نعرۂ حیدری)

پیدائش کی تاریخ اس نے بتائی جس نے دنیا میں آنے کے بعد پہلے اپنی آغوش میں لیا، پہلے اپنے پیار نچھاور کیے، تاریخ پیدائش اس نے بتائی۔ اور تاریخ وفات اس نے بتائی جس نے رو رو کر غسل دیا، کفن پہنایا، نماز پڑھائی، قبر میں لٹایا، انھوں نے تاریخ وفات بتائی۔

تو سرکارِ دوعالمؐ کی ولادت باسعادت ہمارے ذرائع کے مطابق ۱۷ ربیع الاول یکم ہجری ایک عام الفیل جمعہ کے دن صبح صادق کے وقت مکۂ معظمہ میں ہوئی۔

آپ کی ولادت کے وقت اور وہ شب، جس کے سویرے ولادت ہوئی ہے کچھ واقعات دنیا میں ظاہر ہوئے۔ ہر ساحر جادوگر، ان کا سحر باطل ہو گیا اور اس رات ان کا سارا حساب و کتاب جو تھا وہ فیل ہو گیا۔ ہر بادشاہ کا تخت سویرے اُلٹا ملا، ایک دریا تھا جس کی لوگ پرستش کرتے تھے۔ پورا دریا اس رات اچانک خشک ہو گیا۔ ایسا لگا کہ زمین اس کو نگل گئی یا کیا ہوا؟ اور کسریٰ کا جو محل ہے، اس کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے شبِ ولادتِ سرکارؐ گر گئے۔

تاریخ نے یونہی لکھا ہے اب مجھے معلوم نہیں، مگر تاریخ نے یوں لکھا ہے کہ جس رات کے سویرے حضورؐ پیدا ہوئے ہیں کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے خود بخود گر گئے۔ محل کے چودہ کنگرے گرنا اس بات کی دلیل ہے کہ شاید اشارہ مل رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ ایک آیا ہے، چودہ آئے ہیں ___ (نعرۂ حیدری)

اور آپ کی والدہ گرامی بی بی آمنہؑ نے ولادت آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا اور ایسا نور چمکا، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے شام تک کے محل دیکھے۔ چاہنے والے دادا نے اپنے یتیم پوتے کو اپنی آغوش میں لیا۔ چاہنے والے چچا نے اپنے یتیم بھتیجے کو اپنے کلیجے سے لگایا اور یہ بچہ گھر میں شہزادوں کی طرح پلنے لگا۔

کبھی کبھی بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ آتے ہی اعلانِ رسالت کیوں نہ فرما دیا۔ اسی طرح جیسے حضرت عیسیٰؑ نے اعلانِ رسالت فرمایا۔

دیکھئے! غور کیجیے گا ___!

مسئلے میں دونوں کے فرق ہے، حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اس طرح ہوئی تھی کہ حضرت مریمؑ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اگر حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوتے ہی نہ بولتے اور اپنی عظمت کا اعلان نہ کرتے تو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق زمانوں میں نہ جانے کیا کہہ دیا جاتا، لہٰذا جناب عیسیٰؑ کے لیے ضروری تھا کہ وہ ولادت کے ساتھ اپنی عظمت، جلالت

اور نبوت اور رسالت کا اعلان کریں تا کہ جن دماغوں میں بیماری اور مرض ہے ان دماغوں سے خراب خیالات کی ہوا نکل جائے۔

سرکار دوعالمؐ کی ولادت کے وقت ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا لیکن یہ تصور کرلینا کہ نبی نہیں پیدا ہوئے تھے، یہ غلط ہے۔

نبی آیا دنیا میں تو نبی تھا، اب رہ گیا کہ اس نے کارِ نبوت کب شروع کیا؟ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

دیکھئے ـــــ!

دو باتیں ہیں: بچے اس کو سمجھیں، یعنی وہ اس صلاحیت کا مالک ہے کہ نہیں۔ میں یہاں آیا مجلسیں پڑھنے کے لیے، مجلس پڑھوائیں مجھے آج رات سے، میں سویرے کی فلائٹ سے آیا، ۹ بجے دن کو پہنچا بمبئی۔ مجلس پڑھنا ہے مجھے نو بجے رات کو، تو نو بجے دن میں جب سے میں بمبئی میں آیا، کیا میں ذاکر نہیں ہوں؟ یا مجھے مجلس پڑھنا نہیں آتی ہے کیا؟

جب میں نے ایئرپورٹ پر قدم رکھا تو اس وقت بھی میں ذاکر تھا، لیکن مجلس کا اعلان چونکہ نو بجے رات کو ہے، لہٰذا اب میرا کام نو بجے شروع ہوگا۔

بس! حضور سرورِ کائناتؐ جب اس دنیا میں آئے تو نبی تھے، اب جب مشیت پروردگار ہوگی تو تب اعلانِ رسالت ہوگا۔

اور عزیزانِ گرامی!

کیونکہ یہ موضوع بڑا عجیب و غریب ہے، لہٰذا میں اس میں ایسے دو تین ٹکڑے، تا کہ سنجیدہ لوگ بھی غور کریں وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں۔

دیکھئے ـــــ!

بڑی مشکل کی بات یہ ہے اور بڑا صدمہ ہے کہ لوگ ہماری تقریریں جذباتی

ہو کے سنتے ہیں، یا ہم کو کسی فرقے یا کسی مذہب میں قید کر کے بھیجتے ہیں۔

ایسا نہ کیجیے ـــــ!

ہم آپ کے دستور کی بات کر رہے ہیں تو آپ ہم کو کسی عقیدے، کسی نظریے، کسی علاقے میں قید کر کے نہ دیکھئے۔ کسی نظریے، کسی علاقے میں قید کر کے نہ دیکھئے۔ یہ دیکھئے کہ جو بات ہے وہ قابلِ غور ہے یا نہیں؟ وہ روایات کہ اسلام کی تاریخ جن سے بھری پڑی ہے کہ چالیس برس سن میں جبریلؑ کو دیکھا اور دیکھ کر ڈر گئے اور انھوں نے پکڑ کے سینہ چیرا اور بی بی خدیجہؓ کے پاس ڈرے ہوئے آئے اور وہ اپنے چچا کے بیٹے کے پاس گئیں اور انھوں نے خوشخبری دی کہ تمھارا شوہر نبی ہونے والا ہے۔

وہ کسی نے بھی لکھی ہوں، اس سے بحث نہیں ہے۔ لیکن جس نے بھی لکھی ہیں آپ کے نبیؐ سے مرتبے میں کم ہی ہیں نا۔ تو اگر یہ option ہو کہ دونوں میں آپ کس کو چاہیں گے تو آپ کس کا دامن تھامیے گا؟ مولوی کا یا رسولؐ کا ؟

اب میں سوال کرتا ہوں، ٹھنڈے دل سے جواب دیجیے یہ نہ کہیے کہ ہماری روایت پہ اعتراض کر دیا۔ ہماری تمھاری کا سوال نہیں ہے۔ رسولؐ اللہ ہمارے بھی ہیں اور رسولؐ اللہ تمھارے بھی ہیں۔

سمجھئے ـــــ!

وہ چالیس برس جو اعلانِ رسالت سے پہلے گزرے، اس میں رسولؐ کی حیثیت معین کیجیے کہ کیا تھی؟ ایک طرف آپ کہتے ہیں کہ سارا معاشرہ کافر تھا، تو یہ کافر تھے کہ مومن تھے؟ اگر تھے تو کس نبی کے پیروکار تھے؟ دینِ عیسیٰؑ پہ تھے کہ ملتِ مومن ابراہیمؑ پر تھے؟

چاہے دینِ عیسیٰ پر مانئے، چاہے ملتِ ابراہیمؑ پر مانئے۔ اگر ملتِ ابراہیمؑ

پہ تھے تو ابراہیمؑ ان کے نبی تھے اور اُن کے اُمتی تھے۔ اگر دینِ عیسیٰؑ پہ تھے تو عیسیٰؑ ان کے نبی تھے اور یہ ان کے اُمتی تھے، تو چالیس برس اُمتی رہے اور اس کے بعد حاکم بن گئے؟

آپ حیثیت معین کیجیے کہ حیثیت آپ کے نزدیک کیا ہے؟ آپ کو یہ سوچنا پڑے گا کہ چالیس برس میں پختہ عمر کا سن ہوتا ہے، بچپن نہیں تھا۔

تو سرکارِ دو عالم کا بچپن جو گزرا، کمسنی جو گزری، نوجوانی جو گزری، جوانی جو گزری، یہ کس حیثیت سے گزری؟ ہم نے جو اہلِ بیتؑ کے ذریعے معلوم کیا، تو ہمیں یہ بتایا گیا کہ وہ اس دنیا میں نبی بن کر تشریف لائے اور مرسلِ اعظم تھے وہ وقتِ ولادت بھی، یہ نہیں کہ بعد میں ہو گئے، اعلان بعد میں ہوا۔

رہ گیا کہ یہ کام کی نوعیت کا معاملہ جو ہے وہ بھی سمجھ لیجیے آپ۔

میں اکثر پڑھتا ہوں یہ بات کہ کسان کا کام اس دن سے شروع نہیں ہوتا جس دن سے زمین میں بیج ڈالتا ہے بلکہ وہ آکر زمین کو تیار کرتا ہے، ہل چلاتا ہے، پانی دیتا ہے، جب کھیتوں کی زمین تیار ہو جاتی ہے اور موسم مناسب ہوتا ہے تو اس کے بعد اس میں بیج ڈالتا ہے، تب وہ اُگتا ہے لیکن اگر ایسے ہی بیج ڈال دیجیے تو چڑیاں چگ جائیں گی اور وہ اُگنے والا نہیں ہے۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

سرورِ کائنات جس علاقے میں آئے تھے وہاں ذہنوں کی زمین اتنی بنجر تھی، اتنی خراب تھی، اتنی تاریک تھی کہ سرورِ کائناتؐ نے چالیس سال تک اپنے اخلاق کا پانی اس میں شامل کیا۔ اپنے کردار کی نورانیت اس میں شامل کی، اپنے عمل کی شرافت اس میں شامل کی۔ جب ذہنِ انسانی اور فکرِ انسانی کو اس قابل بنا لیا کہ حق و باطل کا فیصلہ کر سکے تو اس وقت کہا: قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ـــــ! (نعرۂ حیدری)

آپ کی سیرت پاک کے تعلق سے یہ کتابوں میں لکھا ہے کہ بہت کمسنی میں اور بہت بچپن میں عام بچوں سے بالکل الگ تھے، نہ وہ انداز تھے، نہ وہ طور طریقے تھے، نہ وہ کھیل کود تھا، نہ وہ حرکتیں تھیں جو بچوں میں ہوتی ہیں بلکہ سنجیدگی ذہن کی پختگی اور فکر کی بلندی، اخلاق کی وسعت، ان تمام چیزوں نے مل کے اس بچے کو عام بچوں سے بالکل الگ بنا دیا۔

دوسری چیز جو سرور کائنات کے تعلق سے کتابوں میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر اللہ کی مشیت کو دخل ہے۔ میں جانتا ہوں لیکن یہ کہ آپ کا طریقہ جو ہے وہ عام انسانوں کی طرح نہیں تھا۔ یہ شہزادہ ابھی پانچ سال کا تھا کہ اس کے دادا نے اس دنیا سے رحلت کی اور باپ تو دنیا میں آنے سے پہلے رخصت کر چکے تھے۔ ماں نے بھی داغ مفارقت دیا اور چاہنے والا دادا بھی رخصت ہو گیا۔ لیکن دادا نے جاتے جاتے اس کائنات کی عظیم دولت کو بے سہارا نہیں چھوڑا بلکہ اپنے بیٹے حضرت ابوطالبؑ کو بلا کے، اس شہزادے کو حضرت ابوطالبؑ کے حوالے کیا۔ سلام ہو اس ابوطالبؑ پر جنھوں نے اور ان کی عظیم بیوی نے ایک ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔

دیکھئے ــــــ!

لوگ ہم نے دیکھے ہیں زندگی میں، لوگ بچوں کو پال لیتے ہیں اور ان سے وہی محبت کرتے ہیں جو ماں باپ کرتے ہیں مگر عام طور پر یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے ہاں خود اولاد نہیں ہوتی۔ تو وہ کوئی بچہ لے لیتے ہیں اور ماں بھی بھول جاتی ہے کہ وہ اس کی اصلی ماں نہیں ہے اور باپ بھی بھول جاتا ہے کہ وہ اس کا اصلی باپ نہیں ہے۔ بڑے پیار سے اس کو پالتے ہیں لیکن جس کے ہاں خود اولاد ہو، وہ دوسرے کے بچے کو اولاد کی طرح پالے یہ مشکل ہے۔

مشکل ہے کا مطلب یہ ہے کہ ناممکن نہیں ہے لیکن جس کے ہاں خود اولاد

موجود ہو وہ دوسرے کی اولاد کو اس طرح پالے کہ اپنی اولاد سے بڑھ کر اس کا خیال رکھے تو یہ ناممکن ہے۔

حضرت ابوطالبؑ اور حضرت فاطمہؑ بنت اسد نے اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ باوجود اس کے کہ ان کے گھر میں خود اولادیں تھیں مگر انھوں نے اس طرح پالا اس کائنات کی دولت کو کہ اپنی اولادوں کو نظرانداز کیا اور اس شہزادے کو پالتے رہے اور خالی پالتے ہی نہیں رہے بلکہ حضرت ابوطالبؑ نے تو بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا۔

عزیزانِ گرامی ــــ!

حضرت ابوطالبؑ کے کارنامے کو کوئی معمولی نہ سمجھے، تجارتی قافلہ نکل کر ہر سال مکے سے شام جاتا تھا، رسولؐ اللہ کی نوعمری تھی، تاریخ میں دو قسم کی روایات ہیں: ایک یہ کہ چچا نے بھتیجے سے کہا: میرے ساتھ چلو، اور ایک یہ ہے کہ بھتیجے نے خود کہا کہ چچا! مجھے بھی ساتھ لے چلو، اب جو بھی ہو۔

ساتھ لے کر گئے مکے اور شام کے بیچ میں سیریا کے علاقے میں ایک جگہ ایسی ہے جہاں قافلے ٹھہرتے ہیں اور سامنے اِدھر پہاڑی ہے اور اس پہاڑی کے اُوپر ایک چرچ ہے۔ اس چرچ میں ایک راہب رہتا تھا۔ وہ کبھی کبھی باہر کھڑکی سے نیچے جانے والے قافلے کو بھی دیکھتا تھا۔

ایک دن جو اس نے دیکھا تو اس کی نگاہیں ایک بچے پر جم گئیں اور وہ دیکھتا ہی رہا دیر تک، پھر اس نے وہاں سے آدمی بھیجا کہ ان سے یہ معلوم کرو کہ کون سا قافلہ ہے اور کہاں کا قافلہ ہے تو اس کے آدمی نے آ کر تصدیق کی۔ اس کو آ کر بتایا کہ یہ مکے والوں کا قافلہ ہے اور یہ قبیلۂ قریش کے لوگ ہیں جو اپنا تجارتی قافلہ لے کر شام جا رہے ہیں۔ اس نے وہاں سے message بھجوایا سردارِ قافلہ کے نام،

جو کہ جناب ابوطالبؑ تھے۔ ہماری خواہش یہ ہے کہ آج رات کو کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں۔

ظاہر ہے کہ ایک اخلاقی دعوت تھی، جناب ابوطالبؑ نے اس دعوت کو قبول کیا اور اپنے ساتھ اپنے قافلے والوں کو لے کر چلے۔

اب یہ بات پتہ نہیں حکمِ خدا سے ہوئی، پتہ نہیں منشاء رسولؐ سے ہوئی، پتہ نہیں حضرت ابوطالبؑ کی ذہانت سے ہوئی، میں کہہ نہیں سکتا لیکن حضرت ابوطالبؑ جب قافلے والوں کو لے کر پہنچے تو وہ راہب ایک ایک سے ملا۔ میزبان کی حیثیت سے، اور اس کے بعد حضرت ابوطالبؑ سے کہنے لگا: ایک آدمی ان میں کم ہے۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: ہاں! ایک آدمی کم ہے، وہ ہمارا بھتیجا ہے، جس کو ہم ساتھ لائے نہیں، اس کو سامان کے پاس چھوڑ دیا ہے۔

تو کہنے لگا: ہم اپنے آدمی بھیج دیتے ہیں وہ آپ کے سامان کی حفاظت کریں گے اور اسے آپ بلائیے، اسی کے لیے تو ہم نے یہ دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ آدمی چلے گئے، سرکارؐ آئے، راہب نے بڑا احترام کیا، بڑی عزت کی، کھانا کھلایا اور جب کھانا وانا ہوگیا تو اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے تو راہب نے حضرتؑ ابوطالبؑ سے کہا: مجھے آپ سے کچھ الگ سے بات کرنا ہے۔ وہ ان کو لے کر الگ گیا۔

کہا: آپ اس بچے کو اس سفر میں لیے ہوئے کہاں نکل آئے؟ آپ کو معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ پیغمبر آخر الزماںؐ ہیں۔ میں ان کے اندر سارے وہ آثار دیکھ رہا ہوں جو میں نے توراۃ و انجیل میں پڑھے ہیں، یہی اللہ کا آخری نبی ہے۔

اور میں ویسا راہب نہیں ہوں اور میری عمر وفا نہیں کرے گی، اگر میری وفا کرتی تو میں پہلا شخص ہوتا جو اس پر ایمان لاتا، لیکن آپ اس کو حفاظت سے رکھیے، گھر سے نہ نکالیے، اس لیے کہ یہودی و نصاریٰ دیکھ لیں گے اور ان کو پتہ چل جائے

گا، اور پہچان لیا گیا یہ کہیں تو اس کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، مار ڈالیں گے۔ لہٰذا آپ اس کی حفاظت کیجیے۔ یہ واقعہ تاریخ کے اندر موجود ہے۔

اب اس کے اندر کسی کے دماغ میں یہ خیال آسکتا ہے کہ راہب تو اتنا جاننے والا نکلا کہ وہ بات بتا رہا ہے عبادت کی، اور چچا جو ہیں وہ سفر میں لیے لیے گھوم رہے ہیں، ان کو چاہیے تھا کہ وہ لے کر نہ نکلتے۔

بھئی ــــــ!

میں جانتا ہوں کہ کتنے دماغوں میں یہ سوال بیٹھ گیا ہے کہ راہب نے تو یہ بات کہی لیکن ابوطالبؑ کیسے سفر میں لے کر نکل پڑے، مگر اس کے اندر آپ ایک باریک نکتہ بھول گئے وہ ابوطالبؑ تھے، جو مکے کی آب و ہوا میں حفاظت کرسکتا ہے، کیا سفر میں نہ کرے گا؟ ــــــ (نعرۂ حیدری)

اچھا صاحب ــــــ!

عمر مبارک تیئس برس تھی، جب بی بی خدیجہؑ کا قافلہ تجارت لے کر پہلی مرتبہ سفر پہ نکلے، قافلے کے سردار کی حیثیت سے، عمر مبارک چوبیس سال کی تھی جب بی بی خدیجہؑ کا سامان دوسری مرتبہ لے کر سفر پر گئے۔

ایک شخص تھا جس کا نام میسرہ تھا، میسرہ بی بی خدیجہؑ کا غلام تھا اور بی بی خدیجہؑ کی طرف سے قافلے لے کر جاتا تھا، اور ان کا بڑا بھروسے کے قابل غلام تھا، اُن کی طرف سے جاسوس بھی تھا۔

جب وہ پلٹ کر آیا تو اس نے کہا: بی بی! یہ صاحب بڑے عجیب غریب بندے ہیں، قطع نظر اس کے کہ ان کا احترام بہترین ہے۔ پورے قافلے میں کسی آدمی کو شکایت نہیں ہونے دیتے۔ کوئی آدمی ان سے ناراض نہیں ہوتا۔ ہر ایک سے ہنس کے بات کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تجارت کے معاملے میں بہت ہوشیار ہیں۔ کسی سے غلط بیانی نہیں کرتے، کسی کو دھوکہ نہیں دیتے، کوئی ایسی بات نہیں کرتے جو تجارت کے اصول کے خلاف ہو، مگر زیادہ سے زیادہ نفع کما لیتے ہیں، ان کو دیکھ کر ہم لوگ حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔

خیر ــــــ!

یہ سب باتیں تو اپنی جگہ ہیں مگر ہم نے باقی باتیں ان سے ایسی دیکھی ہیں کہ جس کی وجہ سے ہماری عقل حیران کہ ہم ان کو کیا سمجھیں۔

دوسال ہو گئے ہم کو ان کے ساتھ سفر کیے ہوئے، پہلے سال تو ہم نے غور نہیں کیا لیکن جب دوسرا سال ہوا، یعنی ایک بات تو یہ ہے کہ جب یہ ریتیلی زمین پر چلتے ہیں تو ان کے پیروں کے نشان نہیں بنتے، جب کہ ہم میں سے ہر ایک کے پیروں کے نشان بنتے ہیں۔ جب ہم ریتیلی زمین پر چلتے ہیں، لیکن جب یہ پہاڑی علاقے میں چلتے ہیں، تو ان کے پیروں کے نشان بننے لگتے ہیں۔ جب کہ ہم میں سے کسی کے نہیں بنتے۔ ہم نے ایک بات ان میں عجیب دیکھی۔

دوسری بات تو ان میں ہم نے یہ دیکھی کہ دن میں دوپہر میں ہر وقت ان کے سر پہ ابر سایہ رہتا ہے۔ شروع شروع میں ہم نے یہ خیال کیا کہ جہاں پہ یہ کھڑے ہیں، ابر اُدھر ہی ہے لیکن بعد میں جب ہم نے تجربہ کیا، کہ ہم نے ہوشیاری سے اپنی پوزیشن تبدیل کی اور باتیں کرتے کرتے ہم اُدھر آ گئے اور یہ اِدھر آ گئے۔

تو انھوں نے جیسے ہی اپنا اینگل تبدیل کیا ویسے ابر کے ٹکڑے نے بھی اپنا اینگل تبدیل کیا اور دوسری چیز ہم نے یہ دیکھی کہ ابر اُدھر کو چلتے ہیں جدھر ہوا چلتی ہے لیکن ابر ان کے سر پر ہوا کے مخالف سمت میں چل رہا ہے۔

اسی طرح ایک اور ہوا وہ یہ ہوا کہ ایک منزل کے اُوپر ہم پانی بھرنا بھول گئے،

آدھے راستے پر جا کر ہمارا پانی ختم ہوگیا، اب وہاں صورت حال یہ تھی کہ جتنی دُور یہ منزل تھی، اتنی دُور منزل تھی، اور پانی ختم ہوگیا، اور دھوپ تھی تیز، ہمیں یقین ہوگیا کہ ہمارے قافلے کے اکثر لوگ آج پیاسے مر جائیں گے لہٰذا ہم نے ضروری جانا کہ ان کو پوری صورت حال سے آگاہ کریں۔

تو ہم نے ان کو آگاہ کیا تو نہ وہ پریشان ہوئے نہ یہ گھبرائے، انھوں نے بڑے اطمینان سے ہماری بات سنی اور اس کے بعد جہاں یہ کھڑے ہوئے تھے۔ وہاں سے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر گئے اور وہاں زمین دیکھی، ہم سے کہنے لگے کہ یہاں سے کھودو۔ ہم لوگوں نے کھودنا شروع کیا۔ تھوڑا سا کھودا تھا کہ وہاں سے پانی اُگلنے لگا اور ایسا صاف، ایسا میٹھا چشمہ نکلا کہ وہاں پانی ہی پانی ہوگیا جنگل میں، ہم نے مشکیں بھری۔ یہ واقعات ایسے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہم بالکل حیرت میں ہیں۔

تو عزیزانِ گرامی ــــــ!

سرورِ کائنات ؐ کی یہ زندگی کے واقعات تاریخ کے اندر لکھے ہیں یہ جو میں آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں، کسی کے دماغ میں یہ نہ آئے کہ میں اپنی طرف سے گڑھ کے دے رہا ہوں۔ میں نے بھی کسی کتاب سے پڑھ کر آپ کو سنائے ہیں لیکن ایک بات کا مجھے صدمہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی کتنے بھولے ہیں کہ اس تاریخ کے بعد اسی بات پر غور کر رہے ہیں کہ ہمارے جیسے تھے ــــــ (نعرۂ حیدری)

تو عزیزانِ گرامی ــــــ!

یہ وہ تاریخ ہے جو ہمیں آستانۂ اہلِ بیتؑ سے مل رہی ہے۔

ذکرِ مصائب!

یہی وہ تاریخ ہے کہ رسالت کو امامت سے ملا دیتی ہے اور امامت کی تاریخ جو

ہمارے سامنے آتی ہے، تو رسالت کی تاریخ کو اُجاگر کرتی ہے۔ ہماری جانیں قربان ہو جائیں اس نواسے پر جس نے اپنی قربانی دے کر اپنے نانا کے نام کو روشن کیا، اور جس نے اپنی جان دے کر اپنے نانا کے دین کو بچا لیا ورنہ ملوکیت سے یہ امید کہاں تھی کہ محمدؐ کا نام یاد رکھے گی، یہ تو امامت کا فیض تھا، وہاں تو ملوکیت کا نعرہ یہ تھا:

لَعِبَتْ بَنُوهَاشِمٍ بِالْمُلْكِ فَلَا
خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلَ

یہ ہے بادشاہت، یہ یزید کا شعر ہے، جب امام حسین علیہ السلام کا سر سامنے پیش کیا گیا تھا:

"ہاشمیوں نے ملک کے ساتھ ایک کھیل کھلا تھا، سیاست تھی۔
ملک حاصل کرنے کے لیے ایک کھیل تھا، ورنہ نہ خبر آئی تھی، اور
نہ وحی نازل ہوئی تھی"۔

بدنصیبی کی بات تو یہی ہے کہ ان اشعار کی موجودگی میں بھی لوگ یزید کو مسلمان کہتے ہیں۔ ہمارے جیسا کوئی مسلمان اگر قرآن کی کوئی آیت کا انکار کر دے، تو بالاتفاق وہ کافر ہے لیکن یزید پورے قرآن سے انکار کر رہا ہے۔

لیکن ــــــ!

ہماری جانیں نثار ہو جائیں امام حسینؑ ابن علیؑ پر جس نے جواب دیا: چوتھے امامؑ کی امامت کا زمانہ تھا، کٹے سر حسینؑ بولے تو یہ واقعہ خود دلیل بن گیا، جب اس نے انکار کیا کہ نہ کوئی خبر آئی، نہ کوئی وحی آئی تھی تو روایت بتاتی ہے کہ خشک ہونٹ ہلے، آواز آئی:

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

"عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا وہ کس کروٹ پلٹتے

جاتے ہیں"۔

قرآن پاک کی آیت سے حسینؑ ابن علیؑ نے اس کو جواب دے دیا، کہ انکارِ حق کرنے والے! کیسے انکار کرے گا، میں کٹے سر سے انکار کر رہا ہوں۔

عزیزانِ گرامی۔۔۔۔!

تاریخیں گزر رہی ہیں، ایامِ عزا تمام ہو رہے ہیں، محرم گزر رہا ہے۔ سیدہ کا لال اب چند دن کا مہمان ہے۔ ہم اہلِ بیتؑ کے چاہنے والوں کا ذکر کرتے ہیں، حسینؑ کے ناصروں کا ذکر کرتے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ کربلا کے میدان میں صبح سے بازارِ شہادت گرم تھا۔ جہاد شروع ہوا، یہاں تک کہ جہاد ہوتے ہوتے کربلا کے میدان کا سورج ڈھلا۔ ادھر سے سورج ڈھلا تو ایک صحابی آگے بڑھے۔

عرض کی: یابن رسول اللہؐ! جی چاہتا ہے ایک نماز آپ کے ہمراہ ہو جائے۔ یہی وہ لوگ تھے جو نمازوں کو قائم کر گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جن کی وجہ سے آج مسجدیں آباد ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے سجدے آباد ہیں کہ ایک نماز آپ کے ہمراہ پڑھ لیں۔

امام حسین علیہ السلام نے آسمان کو دیکھا، فرمایا: ہاں! صحیح کہتے ہو، یہ اوّل وقتِ نماز ہے۔ اچھا! ان سے کہو کہ کچھ دیر جنگ روک دیں، تاکہ ہم نماز پڑھ لیں۔

گستاخوں نے بڑا سخت جملہ کہا۔ حصین بن نمیر نے گستاخی کی تو بچپن کے دوست نے جواب دیا اور تاریخ بتاتی ہے کہ ایک ہی وار میں اس کو واصلِ جہنم کیا، اس کے بعد جہاد میں اُتر گئے۔

اب نماز شروع ہونے والی ہے، امام حسینؑ کے سامنے دو صحابی کھڑے ہو گئے جو تیر آتا تھا وہ اپنے سینے پر روکتے تھے۔ امامؑ نماز پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ کربلا

کے میدان میں رسولؐ کے نواسے کی نماز مکمل ہوئی۔ اِدھر نماز تمام ہوئی اُدھر امامؑ نے دیکھا، سعید نے ہاتھ جوڑے، ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آپ مجھ سے راضی ہوئے۔

حسینؑ نے فرمایا: ہاں! میں تجھ سے راضی ہوں۔

بس ــــ!

جیسے ہی سنا کہ امامؑ راضی ہیں ویسے ہی گرے تو روح گلشنِ جنت میں پرواز کر گئی۔ امامؑ سعید کی میت کے پاس گئے، اپنے ہاتھ سے ایک ایک تیر نکالنا شروع کیا۔

میں کہوں گا: سعید! سینے سے تیر نکل رہے ہیں یا دل سے ارمان نکل رہے ہیں۔ رسول کا نواسہ تمہارے سینے سے تیر نکال رہا ہے۔ ایک ایک تیر سینے سے نکالا۔ میں کہوں گا: مولاؑ! یہ امتحانِ ظہر ہے، جو سعید کے سینے سے تیر نکال رہے ہیں۔ ذرا دن ڈھلنے دیجیے، امتحانِ عصر اس سے زیادہ سخت ہے، عباسؑ کی میت پر رونا ہوگا، قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے اٹھانے ہوں گے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

maablib.org

مجلسِ ہفتم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

خداوند عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

سلسلۂ کلام ذہنِ عالی میں ہوگا، ہمارے آپ کے درمیان اس تاریخ اسلام سے گفتگو ہے جو اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کی روشنی میں ہم کو ملی ہے اور جس کے اندر بنیاد جو ہے وہ رہبر کا نورانی ہونا، معصوم ہونا اور عالم ہونا۔

کل مَیں نے آپ کے سامنے حضور سرور کائناتؐ کی حیاتِ مبارکہ کی کچھ جھلکیاں پیش کیں، اور بات یہاں پہ آ کر تمام ہوگئی تھی کہ آپ نے تئیس برس اور چوبیس برس کی عمر مبارک میں دو سفر فرمائے شام کے، جس میں جنابِ خدیجہؑ کا مالِ تجارت لے کر شام تشریف لے گئے اور راستے کے جو واقعات تھے ان کی طرف بھی کل مَیں نے اشارہ کیا تھا۔ جو بی بی خدیجہؑ کے غلام میسرہ نے آ کر ان سے وہ واقعات بیان کیے تھے۔

جیسا مَیں نے آپ سے کل اعلان کیا تھا، آج مجھے تاریخ کے انتہائی اہم موضوع کے اُوپر تقریر کرنا ہے۔ میں اپنے ان تمام سننے والوں سے جو مجھے دنیا میں

کہیں بھی بیٹھ کر سن رہے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں کہ وہ ہمیشہ مجھے توجہ سے سنتے ہیں، مجھے اپنے سامعین سے کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن آج میں خصوصی طور پر آپ سے درخواست کروں گا کہ آج آپ بہت توجہ سے سنئے۔

یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اسلام دشمنوں نے عملِ رسول کو شادیوں کے سلسلے میں بہت بدنام کیا ہے۔ جو لوگ اخباروں پر نظر رکھتے ہیں، کتابوں پہ نظر رکھتے ہیں۔ واقعات پر نظر رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ رسول کی سیرت کو، رسولؐ کے کردار کو خاص طور سے West میں یورپ اور امریکہ میں سفید فام قوموں اور ہندوستان میں بھی، نان مسلم نے شانِ رسالتؐ میں بڑی گستاخیاں کیں اور بڑی نازیبا باتیں لکھی ہیں۔

سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ان گستاخوں کو میٹریل ہمارے گھر سے فراہم ہوا، لہٰذا میں آپ سے، آپ کی عقیدت، آپ کی محبت اور آپ کا جو اپنے رسولؐ پر جو ایمان ہے، اس کے حوالے سے کہوں گا کہ آپ پوری توجہ کے ساتھ میری بات کو سنیے۔

جب حضورؐ دوسرے سفر سے شام سے پلٹ کے آئے، تو ایک دن بی بی خدیجہؑ کی ایک سہیلی جن کا نام نفیسہ تھا، رسول اللہؐ سے راستے میں ملیں اور انھوں نے رسولؐ سے یہ سوال کیا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟

رسولؐ نے ان کا مختصر جواب دیا: میرے حالات ابھی ایسے نہیں ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب حضورؐ کی عمر مبارک پچیس سال ہے فرمایا: میرے حالات ایسے نہیں ہیں۔

اس پر انھوں نے سوال کیا: آپ شادی کریں گے یا نہیں؟ یا اگر کوئی شریف اور باعزت عورت آپ سے شادی کرنا چاہے تو آپ تیار ہو جائیں گے؟

آپؐ نے فرمایا: ایسی تو کوئی بات نہیں ہے کہ میں شادی کروں گا ہی نہیں البتہ تم نے جو یہ بات کہی کہ کوئی شریف اور باعزت خاتون اگر شادی کے لیے تیار ہو تو

اس سے تمھاری مراد کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: مثلاً خدیجہؑ۔ تو اس پر رسولؐ نے کہا: کیا وہ راضی ہو جائیں گی؟ تو نفیسہ نے ان کی طرف سے تو کچھ نہیں کہا، اپنی طرف سے کہا: میرا خیال ہے کہ وہ راضی ہو جائے گی۔

یہ بات ختم ہوگئی، رات کو جب رسولؐ گھر پر گئے تو پورا واقعہ اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ سے بیان کیا۔ حضرت ابوطالبؑ نے بھتیجے کی زبانی پورا قصہ سنا، کچھ بولے نہیں، سن کے چپ ہو گئے۔

عزیزانِ گرامی ـــــ! میں آپ کی توجہ یہی سے چاہوں گا۔ تاریخ نے بی بی خدیجہؑ کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے اور تاریخ کے اندر دو آدمی جنھوں نے اسلام کی بڑی عظیم خدمت کی ہے، مظلومِ تاریخ گزرے ہیں۔ ثابت کرنا میرا کام ہے اور تاریخ کی دھاندلی، تاریخ کسی کی رشتہ دار نہیں ہے جو کہ صاحب تاریخ سے لڑنے آجائیں گے۔ تاریخ نہ کسی کی بزرگ دین ہے، نہ کسی کی رشتہ دار ہے، نہ کسی کی رہبر ہے، ثبوت پیش کرنا میرا کام ہے، قبول کرنا آپ کا کام ہے۔

تاریخ نے دو شخصیتوں کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ ایک حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ اور ایک حضرت خدیجہؑ کے ساتھ۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ ناانصافی کیوں ہوئی ہے؟ حضرت ابوطالبؑ کی تاریخ اس لیے دشمن ہے کہ وہ علیؑ کے باپ تھے۔ حضرت خدیجہؑ کی اس لیے دشمن ہے کہ فاطمہؑ کی ماں تھیں ـــــ (نعرۂ حیدری)

ایک افسانہ گڑھا گیا اور اس افسانے کو اتنا repeat کیا گیا کہ لوگ اس کو سچائی سمجھنے لگے اور وہ افسانہ یہ گڑھا گیا کہ جناب خدیجہؑ رسول اللہؐ سے پندرہ برس بڑی تھیں، حضورؐ کی جب شادی ہوئی تو پچیس برس کے تھے اور جناب خدیجہؑ چالیس برس کی تھیں۔

یہ پندرہ برس کا افسانہ ہے، اور یہ اتنا زبردست مشہور افسانہ ہے کہ ہمارے

بہت سے دوست اور بہت سے مخلص اور چاہنے والے بھی یہی خیال رکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں اور رسولؐ ہی پچیس برس کے تھے، مگر میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟ ہر معاملے میں تو آپ عقل apply کرتے ہیں، اس میں عقل کو سلانے پر غور کیوں کرتے ہیں؟

عربستان ایک گرم ملک ہے، اور عربستان میں ایک دس یا گیارہ سال کی لڑکی ماں بن جاتی ہے تو چودہ برس کی age کا difference تو ماں سے بیٹے کی عمر کا difference ہے۔ میں آپ کو تاریخ سنا رہا ہوں۔

جب راستے میں نفیسہ نے رسولؐ اللہ کو روک کے یہ کہا کہ آپ سے اگر کوئی شریف عورت خواہش مند ہو، اگر شادی کی تو آپ کریں گے کہ نہیں؟ اور آپؐ نے پوچھا: مثلاً؟ تو انھوں نے کہا: مثلاً خدیجہؓ۔

تو اگر چودہ برس کا ایک difference تھا تو آپ کو کہنا چاہیے تھا کہ وہ میری بزرگ ہیں، میری اور ان کی عمر میں فرق ہے، میں کیسے شادی کرلوں؟ ذرا عقل کو تو جگائیے۔ وہ پچیس برس کے تھے، پس انھوں نے کچھ کہا، سن کے چلے آئے۔

اب اس چچا کے سامنے بات کر رہے ہیں جو باپ کی طرح ہیں، جس نے پالا ہے، جس نے پرورش کی ہے۔ اب بزرگ کو تو کہنا چاہیے تھا کہ بیٹا! تمھارا اور ان کا جوڑ تو ہے ہی نہیں۔ وہ بھی کچھ نہیں کہتے۔ انھوں نے سنا اور سن کر چپ ہو رہے۔

دوسرے دن کا سویرا ہوا، وہ اندر گئے جہاں خواتین رہتی ہیں گھر میں۔ وہاں انھوں نے اپنی چھوٹی بہن کو بلایا اور چھوٹی بہن جناب صفیہ بنت عبدالمطلب، جناب ابوطالبؑ کی بہن، رسولؐ اللہ کی پھوپھی۔

انھوں نے اپنی چھوٹی بہن کو بلایا اور پورا واقعہ جو رسولؐ اللہ نے اپنے چچا کو سنایا تھا، وہ بہن کو سنایا کہ بہن ہمارے بھتیجے کو کل نفیسہ ملی تھیں۔ انھوں نے یہ یہ باتیں

کہیں، تو بھتیجے نے یہ جواب دیا۔ تو تم ایسا کرو کہ تم خدیجہؑ کے پاس چلی جاؤ اور ان سے جا کے یہ پوچھو کہ اگر ہم پیغام دیں گے تو وہ انکار تو نہیں کریں گی۔ اس لیے کہ بڑے گھرانوں میں پیغام کے بعد انکار ہونا توہین شمار ہوتی ہے۔

اب یہاں پر میں آپ سے بھی مخاطب ہوں اور اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے بھی خطاب ہے میرا جو میری آواز ادھر بیٹھ کر سن رہی ہیں کہ مردوں کو age کے سلسلے میں زیادہ پروا نہیں ہوتی ہے۔ مگر خواتین جو ہیں وہ age کے سلسلے میں بڑی فکرمند ہوتی ہیں۔ اگر چودہ برس کا difference ہوتا ہو، رسولؐ بھول گئے تھے، ابوطالبؑ نے توجہ نہیں کی تھی تو کم از کم بی بی صفیہؑ تو کہتی: او بھائی صاحب! کیا کر رہے ہیں آپ؟ ـــــ (نعرۂ حیدری)

تو بی بی صفیہؑ کو کہنا چاہیے تھا، کہ بھائی صاحب! کیسی باتیں کرتے ہیں، کوئی تک ہے یہ شادی کرنے کا؟ وہ گئیں اور حضرت خدیجہؑ سے پوچھا کہ ہم اگر اپنے بھتیجے کا پیغام بھیجے دیں تو تم انکار تو نہیں کر دو گی؟

یہاں پر تاریخ لکھتی ہے کہ خدیجہؑ کے پیغام آتے تھے مگر خدیجہؑ انکار کر دیتی تھیں اور یہ انکار کر دیتی تھیں کہ اس کی وجہ عالم اسلام میں کوئی نہیں بتائے گا سوائے ہمارے ـــــ (نعرۂ حیدری)

اس راز کے امین پورے عالم اسلام میں ہم ہیں، کہ جنابِ خدیجہؑ کیوں انکار کر دیتی تھیں۔ جنابِ خدیجہؑ زوجۂ رسولؐ ہونے والی تھیں، مادرِ فاطمہؑ ہونے والی تھیں۔ سلسلۂ امامت کی دادی ہونے والی تھی۔ وہ ایسی ملت پہ تھیں جس ملت پہ حضرت ابوطالبؑ تھے۔ حضرت عبدالمطلبؑ تھے، رسولؐ کے خاندان والے تھے۔ کافروں کے پیغام آتے تھے، انکار کر دیتی تھیں ـــــ (نعرۂ حیدری)

بی بی صفیہؑ رسول اللہؐ کی پھوپھی گئی، اور وہاں جا کر بات کی، اور ان سے

پوچھا: اگر ہم اپنے بھتیجے کا پیغام دیں تو تم انکار تو نہیں کرو گی؟

تو اس پر انھوں نے کہا: نہیں، اگر آپ لوگ اپنے بھتیجے کا پیغام دیتے ہیں تو میں انکار نہیں کروں گی، چنانچہ حضرت ابوطالبؑ نے پیغام دیا۔

اور اب دو جملوں میں یہ بھی سن لیجیے! جناب خدیجہؑ کی age کتنی تھی؟

دیکھیے ــــــ! اس سے تو میں نے انکار کر دیا کہ چالیس برس کی نہیں تھیں، لیکن اپنے سامعین کو اتنا تو بتانا ہی پڑے گا کہ کتنی age تھی؟

طبقات ابن سعد کتاب کا نام ہے، میں حوالے نہیں دیتا ہوں لیکن یہ معاملہ چونکہ ویسا ہے اس لیے میں حوالہ دے رہا ہوں۔ طبقات ابن سعد، کتاب کا نام ہے۔ یہ کتاب بڑی معتبر مانی گئی ہے مسلمانوں میں۔ طبقات ابن سعد والے نے عمر لکھی، وہ لکھتا ہے:

''جس سال کعبے پہ ہاتھیوں کا حملہ ہوا، اس سال رسولؐ اللہ پیدا ہوئے''۔

اور جتنے تاریخ کے لکھنے والے ہیں، سب نے یہی لکھا ہے، وہی تاریخ لکھنے والا، طبقات ابن سعد کا مصنف جو ہے، وہ لکھتا ہے: ''کعبہ پر ہاتھیوں کے حملے کے تین برس پہلے خدیجہؑ پیدا ہوئیں۔

اب رسولؐ اور جناب خدیجہؑ کی عمر کا فرق جوڑ ھونڈ لیجیے آپ۔

جس سال کعبے پر حاجیوں کا حملہ ہوا اس سال رسولؐ اللہ پیدا ہوئے اور کعبے پر حاجیوں کا حملہ ہونے سے تین برس پہلے بی بی خدیجہؑ پیدا ہوئیں۔ اس طرح بی بی خدیجہؑ کی age رسولؐ اللہ کی age سے تین برس زیادہ تھی۔ تو جب رسولؐ اللہ کی عمر مبارک پچیس سال کی ہوگی تو بی بی خدیجہؑ کی عمر مبارک اٹھائیس سال کی ہوگی۔ یہ تین برس کا difference ہے۔

عزیزانِ گرامی ــــــ! کوئی حیرت کی بات نہیں ہے سوائے ان لوگوں کے جن

کی شادی خاندانوں میں ہوتی ہے، یا پڑوس میں ہوتی ہے جو مدتوں سے ساتھ میں رہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اجنبیوں میں جو شادیاں ہوتی ہیں تو نہ لڑکی کے ماتھے پہ age لکھی ہوتی ہے نہ لڑکے کے ماتھے پر age لکھی ہوتی ہے۔

یہ بھی افسانہ ہے کہ ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔

اب سنیے ۔۔۔! جب پیغام دیا جناب ابوطالبؑ نے تو ان کے کزن تھے ورقہ ابن نوفل، انھوں نے مکے میں مسجد الحرام میں تمام قبیلے کے سرداروں اور عزت داروں کو بلایا، اور ان سے کہا کہ آپ کے خیال میں ہمارے خاندان اور ہماری بہن خدیجہؑ کے متعلق جو معلومات ہوں وہ بیان کیجیے۔

اس زمانے میں رواج یہ ہوتا تھا کہ ہر قبیلے کا ایک خاص آدمی ہوتا تھا جس کو نقیب قبیلہ کہتے تھے۔ ہر قبیلے کے نقیب نے کھڑے ہو کر ایک ہی تقریر کی: آپ کا خاندان بہترین خاندان ہے اور آپ کی خدیجہؑ کے لیے سوائے نیکی، خیر اور اچھائی کے ہم کوئی بات نہیں جانتے۔

جب سب لوگ تقریریں کر چکے تو ورقہ ابن نوفل خود کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا: آپ حضرات نے ہمارے خاندان کے تعلق سے جن باتوں کا اظہار کیا اس کے لیے ہم شکرگزار ہیں۔ اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایسی خاتون کو بغیر شادی کے رہنے دیا جائے۔

دیکھیے غور کیجیے گا ۔۔۔! انھوں نے کہا: اب ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ایسی خاتون کو بغیر شادی کے رہنے دیا جائے؟

تو سارا مجمع کہتا ہے: نہیں نہیں، بالکل نہیں بلکہ ان کی شادی ہونی چاہیے۔

میرا کہنا یہ ہے کہ یہ تیسری شادی میں نخرے نہیں ہوتے ۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

جب سارے لوگوں نے کہا کہ نہیں نہیں بلکہ شادی ہونی چاہیے تو وہ کھڑے

ہوئے اور کہا کہ ہم نے طے کیا ہے کہ بنی ہاشم کے نوجوان حضرت عبداللہ کے بیٹے، حضرت عبدالمطلب کے پوتے۔ اور سرکار کا نام نامی لیا اور کہا کہ ان کے ساتھ ان کا عقد کیا جائے گا اور جب نام نامی لیا سرکار کا اور یہ اعلان کیا تو ہر طرف سے مبارک و سلامت کا شور ہونے لگا، اور جتنے آئے تھے سب نے دل کھول کر تعریف کی۔

میں پھر آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ تاریخ لکھتی ہے: جناب خدیجہؑ انکار کر دیتی تھیں، اگر چودہ برس کا ایک difference ہوتا تو کوئی بڈھا عرب کا جلا ہوا بزرگ ہوتا ـــــ (نعرۂ حیدری)

تو عزیزانِ گرامی ـــــ!

اس طرح بی بی خدیجہؑ کے ساتھ سرورِ کائنات کا عقد ہوا۔ یہ میں نے ذرا تفصیل سے اس لیے سنا دیا کہ غلط فہمی پیدا ہوئی، لہٰذا جہاں جہاں میری آواز جاری ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ غلط فہمی دُور ہو جائے گی۔ یہ عقد ہوا پچیس برس کی عمر میں۔

اب آیئے ـــــ! اب میرے بیان کا رُخ مڑتا ہے، سرورِ کائناتؐ کی عمر پچیس سال کی تھی، جب آپؐ نے عقد فرمایا۔ جس علاقے میں وہ رہتے تھے مکہ، وہاں تیرہ چودہ برس کے سن میں لڑکا بھرپور جوان ہو جاتا ہے۔

چلیں ـــــ!

چودہ برس شرعی ہیں وہی مان لیجیے تو چودہ برس سے لے کر پچیس برس کی زندگی ایسے گزری کہ دشمن مخالف، اپنا، پرایا، غیر، خون کا پیاسا، پتھر مارنے والا، ساحر و مجنون کہنے والا بھی رسولؐ کے کردار کے اُوپر اتنا سا حرف بھی نہیں لا سکا۔

آج جو رسول کی تاریخیں لکھی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں اور جو واقعات بیان ہوتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہوتا کہ گویا وہ معاذ اللہ، نقل کفر کفر نباشد، کوئی ایسے آدمی تھے جن کو ایسی چیزوں کی طرف زیادہ دھیان تھا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ پندرہ برس کے سلسلے سے لے کر پچیس برس تک سرداروں کے گھرانے کا ایک لڑکا جس کے قول و فعل پر انگلی کوئی اٹھا نہیں سکتا ہے۔ وہ اس طریقے سے پاکیزہ زندگی گزار رہا ہے کہ اس کے بدترین دشمن کو بھی ایک حرف کہنے کے لیے نہیں ہے، اس لیے کہ نبی ہونے کے بعد جب وہ کردار کی بات کرتا ہے تو اگر اس کے کردار میں کسی نے جھول دیکھا ہوتا تو وہ کہتا: آج یہ کہہ رہے ہو، کل کی بات بھول گئے۔

اور اس کے بعد جو لوگ اس type کے ہوتے ہیں جن کو شادیوں کا شوق ہوتا ہے، کئی کئی بیویاں رکھنے کا شوق ہوتا ہے۔

پچیس برس دس مہینے اسی طرح اس بی بیؓ کے ساتھ زندگی گزاری کہ کبھی داہنے بائیں دیکھا ہی نہیں، یہاں تک کہ عمر مبارک اکیاون سال ہوگئی۔

عزیزانِ گرامی ___!

انصاف سے بتائیے۔ وہ لوگ کہ جن کا رجحان sex کی طرف ہوتا ہے اور وہ لوگ جو جنسِ مخالف کی طرف زیادہ لگاؤ رکھتے ہیں، کیا اکیاون سال کی عمر تک ان کے لیے پُرسکون رہنا ممکن ہے؟

اکیاون برس عمر ہے آپ کی جب جنابِ خدیجہؓ کی رحلت ہوئی۔

اور چلئے ___!

کوئی سوچ سکتا ہے کہ جنابِ خدیجہؓ کے احسانات تھے، خدیجہؓ کے دل کو دُکھ نہ پہنچے اس لیے انھوں نے دوسری شادی نہیں کی، اب تو خدیجہؓ گزر گئیں؟

مگر تاریخ بتاتی ہے کہ حضورؐ نے اپنی پسند سے جو شادی کی وہ اُم المومنین جنابِ سودہؓ کے ساتھ تھی۔ جنابِ سودہؓ اکیاون برس کی ایک بیوہ خاتون تھیں اور رسولؐ نے یہ شادی اس اعلان کے ساتھ کی کہ میں کسی دنیاوی مقصد کے لیے یہ شادی

نہیں کر رہا ہوں چونکہ گھر کا نظام عورت کے بغیر نہیں چلتا اس لیے میں یہ رشتہ کر رہا ہوں۔

اب آپ ذرا غور فرمایئے گا ــــــ! کیا ان تاریخی حقائق کے باوجود سرورِ کائناتؐ کے کردار پر الزام لگایا جاسکتا ہے تو پھر یہ الزام آئے کہاں سے؟

اور اس کے علاوہ تاریخ کے اندر حضورؐ کی نو شادیاں اور ہیں۔

مکے میں آپ نے بی بی خدیجہؓ کے بعد جناب سودہؓ سے شادی کی، اور اس وقت اس بی بی کی عمر اکیاون برس تھی، اور وہ ایک بیوہ خاتون تھی، اس کے بعد ۲ ہجری میں آپ کا عقد، حضرت عائشہ کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد آپ کے پاس ایک اسی برس کی خاتون آئی۔ انھوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور اس کے بعد اس نے خود کہا: یہ سوچ کر لوگ ہنسیں گے کہ اسی برس کی بڑھیا شادی کیا کرے گی؟

ظاہر ہے میں اسی برس کی بڑھیا ہوں، میرا کوئی مقصد شادی سے نہیں ہے سوائے اس کے کہ قیامت کے دن جب میں قبر سے اٹھوں تو آپ کی بیویوں میں میرا شمار ہو۔

اب آپ بتایئے ــــــ! رسولؐ نے اس معصوم خواہش کو جو رحمت للعالمینؐ تھا، اور اخلاق کا مجسمہ تھا، کیسے ٹھکرا دے

سرورِ کائناتؐ نے منظور فرمایا اور ان کے ساتھ عقد ہوا، تعداد تو بڑھ گئی مگر صورت حال دیکھی آپ نے؟ چنانچہ اس بی بی کا نام زینبؓ تھا اور یہ فقیروں کو اور یتیموں کو بہت پیسے بانٹتی تھی، لہٰذا زینبؓ اُم المساکین کہلاتی تھی۔

اور وہی ہوا کہ شادی ہونے کے دسویں مہینے ان کی رحلت ہوگئی اور سرورِ کائناتؐ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے اسی جنت البقیع میں دفن کر دیا۔

اس کے بعد پھر ایک رسول اللہ کی شادی جنگ اُحد میں ہوئی۔ ابوسلمیٰ مارے گئے تو جنابِ اُم سلمہؓ کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا اور لوگوں نے رسول اللہ نے کہا:

یارسول اللہ! اُم سلمہؓ! مر جائے گی۔

کہا: کیوں؟

کہا: ان کو اپنے شوہر کا بڑا غم ہے۔

آپ نے اُم سلمہؓ کو عقد کا پیغام بھیجا۔

اُم سلمہؓ نے کہا: یارسول اللہ! میرے بچے ہیں، آپ کے لیے میں زحمت کا سبب بنوں گی۔

رسول اللہ نے فرمایا: ان کا بھی اللہ ہے۔ اور اس طریقے سے جنابِ اُم سلمہؓ کے ساتھ عقد ہوا جنابِ رسالت مآب کا۔

ان شادیوں میں آپ وہ چیز تلاش نہ کیجیے جو عام طور پر دوسری شادیوں میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد حبش کو ہجرت کر کے ابوسفیان کی بیٹی گئی تھی۔ اُمِ حبیبہؓ، ان کا شوہر مسلمان ہو گیا تھا، وہاں جا کر وہ عیسائی ہو گیا تھا، وہاں سے انھوں نے مسیج بھیجا: یارسول اللہ! میں نے اپنے باپ ابوسفیان کو چھوڑا، آپ کے دین کی محبت میں، ہجرت کر کے حبش آئی۔ یہاں میرا شوہر عیسائی ہو گیا ہے اور مجھ سے کہتا ہے: عیسائی ہو جاؤ! اب میں عیسائی ہونے کو تیار نہیں ہوں، تو مجھ کو وہ چھوڑ کر چلا گیا۔ اب میں اس پردیس میں اکیلی ہوں، میں کیا کروں؟

رسول اللہ نے ان کو بلایا اور ان کے ساتھ عقد فرمایا: یہ ایک سیاسی نکتۂ نظر سے بہت اہم تھا، یہ ایک شادی ہوئی۔ اس کے بعد حضرت حفصہ سے شادی ہوئی۔ حضرت حفصہ حضرت عمر کی بیٹی تھی۔ جب ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تو انھوں نے حضرت ابوبکر سے کہا: تم نکاح کر لو۔

انھوں نے کہا: میں نہیں نکاح کروں گا۔

انھوں نے حضرت عثمان سے کہا: تم نکاح کرلو۔

انھوں نے کہا: میں نکاح نہیں کروں گا۔

پھر روتے ہوئے رسولؐ اللہ کے پاس آئے کہ ہم کیا کریں؟

تو لوگوں نے کہا: انھی سے عقد کرلو۔

اس طریقے سے ان کا عقد رسولؐ اللہ سے ہوا، یہ مسلسل شادیوں کی تاریخ ہے۔ رسولؐ نے ایک شادی کروائی تھی اپنی کزن زینب بنت جحش کی، ان کی شادی زید کے ساتھ ہوئی تھی، رسولؐ نے کروائی تھی۔

زید نے طلاق دے دی، ادھر لوگوں نے پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ زید رسولؐ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس مسئلے کو ٹھنڈا بھی کرنا تھا تو قرآن مجید میں آیت آئی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورۂ احزاب، آیہ ۴۰)

"محمدؐ تمھارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں وہ رسولؐ اللہ ہیں اور آخری نبیؐ ہیں"۔

اور دوسرا حکم ہوا کہ تم زینبؓ سے شادی کرو، اس لیے کہ بیٹے کی بیوی سے شادی نہیں ہوسکتی، تم شادی کر کے ثابت کرو کہ زید تمھارے بیٹے نہیں ہیں۔ اس طریقے سے رسولؐ اللہ نے جناب زینبؓ بنت جحش سے شادی کی۔

اس کے بعد غزوۂ خیبر ہوا، غزوۂ خیبر میں جب جناب صفیہ لائی گئی رسولؐ اللہ کے سامنے تو دیکھا، چہرے کا رنگ اُڑا ہوا ہے۔

کہا: کیا بات ہے؟

کہا: اُدھر سے آئی ادھر بھائی کی میت پڑی تھی۔

آپؐ نے حکم دیا کہ یہ سردار کی بیٹی ہے اس کو عام لوگوں سے الگ سے بٹھاؤ۔ ان کو الگ سے بٹھایا گیا۔ پھر فرمایا: تم قیدی نہیں ہو، تم آزاد ہو۔

اس اخلاقِ رسول کا ان پر زبردست اثر ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد انھوں نے پیغام بھیجا کہ آپ نے کہا تھا میں سردار کی بیٹی ہوں۔

کہا: ہاں میں نے کہا تھا۔

کہا: میرا دل چاہتا ہے کہ حالتِ اسلام میں سردار کی زوجہ بن کے رہوں، لہٰذا یارسولؐ اللہ! مجھ سے شادی کر لیجیے۔

تو آپؐ نے جنابِ صفیہؓ سے شادی کی، پھر آپ کا عقد جویریہ کے ساتھ ہوا۔ آپ کا آخری عقد جنابِ میمونہؓ کے ساتھ ہوا اور اس سے بہت بڑا اسلام کو فائدہ پہنچا۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

یہ وہ شادیاں تھیں کہ جو سرورِ کائناتؐ نے اپنی زندگی میں کیں اور یہ سب شادیاں زندگی کے آخری گیارہ برس میں ہوئی ہیں ـــــ (صلواۃ)

ذکرِ مصائب!

بس عزیزانِ گرامی!

بات کل آگے بڑھے گی، تاریخیں گزر رہی ہیں، حسینؑ کا فیضِ اسلام کی تاریخ کو فائدہ پہنچا رہا ہے، آج چھٹی رات آ گئی۔

اور عزیزانِ گرامی ـــــ!

آج کی رات وہ رات ہے، جس میں ہم شہزادی زینبؑ کو ان کے شہزادوں کا پُرسہ پیش کرتے ہیں۔

زینبؑ بھی بھی اپنے بیٹوں پر نہ روئیں، جب بھی روئیں اپنے بھائی پہ روئیں، جب روئیں تو حسینؑ پر روئیں، بیٹوں کو ہمیشہ اپنے بھائی پر قربان کیا۔

ہماری جانیں نثار ہو جائیں ان بہادروں پر جو نانا اور دادا دونوں کی طرف سے شجاعت کے ورثہ دار تھے، جن کا نانا حیدرِ کرارؑ تھا، جن کا دادا جعفر طیارؓ تھا۔

حیدرِ کرارؑ کو تو آپ جانتے ہی ہیں اور حضرت جعفرؓ مولا علیؑ کے سگے بڑے بھائی تھے۔ رسول اللہؐ جعفرؓ سے بڑی محبت کرتے تھے، جنگِ موتہ میں جعفرؓ علمدار تھے، حضرت جعفرؓ کے نصرتِ اسلام میں دونوں ہاتھ کاٹے گئے۔

اور حضرت جعفرؓ کی شہادت کے سلسلے میں ایک بات اور بھی بتا دوں اپنے بچوں کو، جب میدانِ جنگ میں جعفرؓ کی لاش ملی ہے، تو سینے کے اُوپر بہت سے زخم ایسے ملے کہ ہر ایک زخم موت کے لیے کافی تھا۔ مگر جب میت کو پشت کی طرف سے دیکھا گیا تو پشت پر ایک خراش بھی نہیں تھی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب جعفرؓ جتنی دیر لڑتے رہے، آگے ہی بڑھتے رہے، ایک سیکنڈ کے لیے میدانِ جنگ سے پیٹھ نہیں کی۔ سرورِ کائناتؐ نے جعفرؓ کی تعزیت کی، سرورِ کائناتؐ جعفرؓ کی حاضری بھیجی۔ سرورِ کائناتؐ نے جعفرؓ کا غم منایا اور جعفرؓ کے غم میں آنسو بہائے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب کربلا میں مصیبت کا وقت آیا تو انہی جعفرؓ کے پوتے تھے، حضرت عونؑ و محمدؑ جو میدانِ جہاد میں بڑی شان سے لڑ رہے تھے۔

عزیزانِ گرامی ___!

مجھے نہیں معلوم، بچوں کو کیسے اجازت ملی، مجھے نہیں معلوم، امامؑ نے اپنے بھانجوں کو کس طرح اجازت دی۔

مجھے اتنا معلوم ہے کہ کسی نہ کسی طرح اولادِ جعفرؓ کو بھی اجازت ملی۔ پہلے اولادِ

عقیلؑ کام آئی، جب اولادِ عقیلؑ شہید ہو گئی تو اولادِ جعفرؑ نے میدانِ جہاد کا رُخ کیا۔

میں اتنا ضرور کہوں گا جن بچوں کی ماں زینب ہو، کیا ان کی شجاعت کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ ہمارے پاس وہ لفظ نہیں کہ ہم بیان کر سکیں۔

ہاں ــــــ!

میر انیس کہہ گئے ہیں، میں آپ کو میر انیس کی زبانی سنا دوں۔ اللہ نے ان کو یہ صلاحیت دی تھی کہ وہ ایسی باتیں کہہ جائیں۔ شہزادی زینبؑ کی زبانی میر انیس سنا رہے ہیں کہ اپنے بچوں کو نصیحت کر رہی ہیں۔

تم کیوں کہو کہ لعل خدا کے ولی کے ہو
فوجیں پکاریں خود کہ نواسہ علیؑ کے ہو

ہاں ــــــ!

وہ میدان میں لڑ رہے تھے، وہ علیؑ کے نواسے تھے، وہ جعفرؑ کے پوتے تھے، لڑتے لڑتے ایک مرتبہ زخموں سے چُور ہوئے، گھوڑے پر ڈگمگائے۔ ایک کو لینے عباسؑ بڑھے، ایک کو لینے حسینؑ بڑھے، سیدہؑ کے لعل زینبؑ کے بیٹوں کے لاشے لے آئے، فاطمہؑ کے لعل کی میت کوئی نہ لایا، وا محمداہ وا علیاہ۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

maablib.org

مجلسِ ہشتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

''یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے''۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

سلسلۂ کلام ذہنِ عالی میں ہوگا، ہم آپ کے سامنے تاریخ اسلام پڑھ رہے ہیں اور کل حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد کے سلسلے میں ہماری آپ کی گفتگو ہوئی تھی۔ عمر مبارک پچیس سال تھی جب آپ کا عقدِ مبارک جنابِ خدیجہؑ کے ساتھ ہوا۔ شادی کے پانچ برس تک کوئی ولادت نہیں ہوئی۔ شادی کے پانچ برس کے بعد صاحب زادے پیدا ہوئے جن کا نام نامی قاسمؑ رکھا گیا لیکن حکمِ خدا سے کمسنی میں ہی ان کی رحلت ہوگئی۔ اسی مناسبت سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔

یہی وہ سال تھا شادی کے پانچ برس کے بعد، جب مولا علیؑ کی ولادت ہوئی، مولا علیؑ بھی رسولؐ اللہ کی شادی کے پانچ برس بعد پیدا ہوئے اور جنابِ قاسمؑ بھی پیدا ہوئے لیکن ان کی کمسنی میں رحلت ہوگئی۔

اس کے بعد حضورؐ کے ایک صاحبزادے اور پیدا ہوئے جن کا نام طیب ہے اور ان کو طاہر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کمسنی میں بحکمِ خدا رحلت فرما گئے۔

جب اسلام کا پیغام عام ہونے لگا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ان کے ہاں اولاد تو ہے ہی نہیں، ان کا دین چلے گا کیسے؟ اور حضورؐ کو دشمنوں نے ابتر کا طعنہ دیا۔

ابتر عربی میں اس کو کہتے ہیں جس کے ہاں اولاد نہ ہو، چنانچہ قرآن میں اس کا تذکرہ بھی ہے:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (سورۂ کوثر، آیہ ۳)

''آپؐ کے دشمن بے اولاد رہیں گے''۔

لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ ابتر ہیں۔ ان کا دین چلے گا کیسے؟ اس لیے کہ ان کے ہاں تو اولاد ہی نہیں ہے حالانکہ نا سمجھ تھے لوگ، ان کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اولاد نہیں ہے تو دوست واحباب کے ذریعے چلے گا مگر لوگوں نے یہ بات کہی، اور اس پر اللہ نے ان کو پلٹ کر جواب دیا اور آپ کو ایک بیٹی عطا کی جو اللہ کا تحفہ تھی اپنے حبیبؐ کو۔ اور قرآن مجید میں اس کی آمد کا تذکرہ، اور اس کی عطا کا تذکرہ بڑی شان سے ہوا۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (سورۂ کوثر، آیہ ۱)

''اے حبیبؐ! ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا''۔

جس کے بارے میں مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد کثرت نسل ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۂ کوثر، آیہ ۲)

''آپ اللہ کی نماز پڑھیے اور اس کی راہ میں قربانی دیجیے''۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (سورۂ کوثر، آیہ ۳)

''اور آپؐ کا دشمن، اس کی نسل قطع رہے گی''۔

چنانچہ عزیزانِ گرامی ــــــ!

اللہ نے اپنے حبیب کو بیٹی دی اور اس بیٹی کو ضامنِ نسل بنایا اور پوری تاریخ انسانیت میں آدمؑ سے لے کر قیامت تک رسولؐ کی بیٹی وہ اکیلی بیٹی ہے جس سے اس کے باپ کی نسل چلی، ورنہ دنیا میں ہر ایک نسل بیٹے سے چلتی ہے بیٹی سے نہیں۔ یہ فاطمہ زہراؑ واحد بیٹی ہیں، جن کے ذریعے نسلِ سرورِ کائناتؐ چلی۔

اور عزیزانِ گرامی ـــــ!

دنیا میں بے مثال بیٹی، جو اپنے باپ کی نسل کی ضامن بنی اور بے مثال ماں۔

لوگوں کو اپنی ماؤں پہ ناز ہوتا ہے، لیکن ایک دو پشتوں کے بعد وہ نسل ختم ہو جاتی ہے، لیکن فاطمہؑ وہ ماں ہیں کہ امام حسنؑ سے لے کر آج تک جو سید پیدا ہو رہا ہے، آج بھی اس کو اپنی ماں پر ناز ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اور اللہ نے اپنے حبیب کو وہ بیٹی عطا کی جو نورانی ہے، پاک و پاکیزہ ہے اور معصومہ ہے اور اس کی مثال نہ تاریخ عالم میں ملی ہے، نہ ملے گی۔ اس لیے کہ اس کا باپ بھی معصوم ہے، اس کا شوہر بھی معصومؑ ہے، اس کی نسل بھی معصوم ہے، وہ خود بھی معصومہ ہے۔

اور عزیزانِ گرامی ـــــ!

یہ بھی عجیب و غریب بات ہے کہ اس بیٹی کے لیے اللہ نے انتظام بھی کیے۔ ایک معصومہ بیٹی عمران کو بھی دی تھی مگر اس کے لیے شوہر کا انتظام نہ ہو پایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بے شوہر کے اولاد دی گئی، وہ نبی بنا، وہ اُولی العزم بنا، اس نے پیدا ہو کر اپنی ماں کی عصمت کی گواہی دی، مگر اس زمانے میں کوئی معصوم ایسا نہ تھا جو معصومہ کا شوہر بن سکے۔ لیکن اللہ نے جب اپنے حبیبؐ کو بیٹی دی تو شوہر کا انتظام پہلے سے کیا اور چونکہ سب سے اُونچا گھر محمدؐ کا گھر تھا، انسان کی تاریخ میں سب سے اُونچا گھر محمدؐ کا

گھر ہے۔

اب جس گھر سے داماد آتا، نظر دیکھتی، برابر کے گھر کا نہیں ہے، کیا کریں بے چارے۔

اب آدمؑ کے گھر سے آتا یا نوحؑ کے گھر سے، یا موسیٰؑ کے گھر سے، اِن کے گھر کے برابر کا تو نہیں تھا، تھوڑا گھر نیچا تھا لہٰذا کہا: میرے حبیب کی نظر جھکے نہ، اپنے لیے بھی ایک گھر بنوالیا ـــــ (نعرۂ حیدری)

تو عزیزانِ گرامی ـــــ!

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کہیں سے بھی آتا ہے لڑکا، محمدؐ کے گھر کے تو برابر کا نہ ہوتا، لہٰذا اللہ لامکان تھا، مگر اپنے لیے مکان بنوایا۔

اور ایک بات اور بھی ذہن میں آجائے آپ کے، کہ جو گھر بنواتا ہے اس کو اختیار ہے کہ جو چاہے اپنے گھر کا نام رکھے، تو اللہ نے گھر بنوایا اور نام رکھا کعبہ۔

کعبہ کے معنی آپ کو معلوم ہیں؟

کعبہ کے معنی ہیں اُونچا، کعبہ کے معنی بلند، گھر بنوایا تو اس کا نام رکھا کعبہ۔ اس کعبے میں پیدا ہوا علیؑ۔ علیؑ کے معنی میں بھی ہے اُونچا، بلند، جو کعبہ کے معنی ہیں وہی علیؑ کے معنی ہیں۔ کعبہ کے معنی بھی ہیں اُونچا، علیؑ کے معنی بھی ہیں اُونچا۔ وہ علیؑ جا کر دفن ہوئے نجف میں اور نجف کے معنی بھی اُونچا۔

نجف کے معنی ہیں بلند! جو کعبہ کے معنی ہیں وہی علیؑ کے معنی ہیں، وہ نجف کے معنی ہیں، یعنی علیؑ وہ آفتاب ہے جو بلندیوں سے اُبھرا۔ بلندیوں میں چمکا بلندیوں میں ڈوبا ـــــ (نعرۂ حیدری)

اب جب بیٹی کی شادی کی منزل آئی، تو پیغام آنے لگے، جتھے والوں کے پیغام، پیسے والوں کے پیغام، طاقت والوں کے پیغام، گروہ والوں کے پیغام۔

دیکھیے ــــــ!

رسول کو بیٹی دینا آسان ہے اور رسولؐ سے بیٹی لینا مشکل ہے۔

پیغام آتے رہے، صاحب خلق عظیم ہیں، کسی کا دل نہیں توڑتے، کسی سے انکار نہیں کرتے، ہر ایک سے اخلاق سے ملتے ہیں، کسی کے ساتھ نہیں کہا کہ میں تمہارے ساتھ بیاہ نہیں کروں گا۔

جو جو پیغام لایا، اس کو مسکرا کر فقط ایک ہی جواب دیا:

"اس معاملے میں مجھے اختیار نہیں ہے خدا کو اختیار ہے، جس کے ساتھ اللہ کہے گا اس کے ساتھ ہوگی فاطمہؑ کی شادی"۔

میں کہوں گا: یا رسولؐ اللہ! کائنات بھر کے اختیار ہیں اور یہی اختیار نہیں ہے؟ چاند کو دو کرنے کا اختیار ہے، سورج کو پلٹانے کا اختیار ہے، سنگریزوں کو تسبیح پڑھوانے کا اختیار ہے، نعلین سمیت قاب وقوسین سے گزرنے کا اختیار ہے، جو کسی کے پاس نہیں۔ سارے اختیار آپ کے پاس ہیں اور دنیا کے ہر باپ کو اختیار ہے بیٹی کی شادی کرنے کا، آپ کو نہیں ہے؟

ممکن ہے کہ جواب دیں: میری بیٹی کا مرتبہ سمجھ لے، جواب خود بخود مل جائے گا، اگر صرف مسلمان ہوتی میری بیٹی تو مجھے اختیار ہوتا کہ کسی اچھے مسلمان کے ساتھ اس کی شادی کر دوں، میری بیٹی معصومہؑ ہے اور معصومہؑ کی شادی کبھی غیر معصوم سے ہوتی نہیں، میں معصوم نہیں بناتا، مسلمان بناتا ہوں، معصوم تو اللہ بناتا ہے ـــــ (نعرۂ حیدری)

اور پھر ایک دن جس کو اختیار تھا اس نے اختیار استعمال کیا اور اختیار عجب طرح سے استعمال کیا، جبرئیلؑ کو بھیج کر پیغام بھجوایا:

"ہم نے فاطمہؑ کا نکاح علیؑ کے ساتھ پڑھ دیا"۔

"پڑھ دیا" پڑھ دیں گے نہیں، تم بھی مسجد میں پڑھ دو۔

اے معبودو! مالک ہے تو چاہے کر، ہم کیا بول سکتے ہیں، نہ لڑکے سے پوچھا، نہ لڑکی سے پوچھا، پڑھ دیا۔ تو ممکن ہے جواب دیں: تمیز سے بات کر، میں وکیل تھوڑی ہوں، خالق ہوں، تم لوگ وکیل ہو جو پوچھتے ہو، میں خالق ہوں۔

پڑھ دیا، رسول اللہ نے مسجد میں پڑھ دیا، تو ایک ہی نکاح دو دفعہ پڑھا گیا، یہ بھی دنیا کا اکیلا واقعہ ہے کہ ایک ہی نکاح دو دفعہ پڑھا گیا۔ جب ایک ہی نکاح دو دفعہ پڑھا گیا، یہ عقدِ عام تھا۔ سیکڑوں کے پڑھے، ان کا بھی پڑھ دیا، ایک اللہ نے پڑھا، یہ عقدِ خاص تھا، نہ پہلے کسی کا پڑھا، نہ بعد میں کسی کا پڑھا، تو نسل بھی دوہری چلی، نسلِ خاص بھی چلی، نسلِ عام بھی چلی، نسلِ عام میں وہ سادات ہیں، ساری دنیا میں ہیں، نسلِ خاص میں وہ ہا ؛ ہیں جس کے پاس دادا کا علم بھی ــــ (نعرۂ حیدری)

یہ رسول کی اولاد ہے، جب کسی کی history بیان ہوتی ہے تو اس کی اولاد بیان ہوتی ہے۔ سب بیان ہوتا ہے، یہ اولادِ رسولؐ ہے جس کا سلسلہ آج تک دنیا میں قائم ہے۔

چالیس برس کی عمر مبارک تھی، جب بحکمِ خدا آپ نے اپنے رسولؐ ہونے کا اعلان کیا۔

عزیزانِ گرامی ــــ!

چالیس سال کی عمر مبارک تھی جب اللہ کے حکم سے رسولؐ ہونے کا اعلان کیا۔ رسولؐ بنے نہیں، رسولؐ ہونے کا اعلان کیا۔

اور میں پھر یہ بات کہوں گا کہ عالمِ اسلام تھوڑا غور کرے، تھوڑا سوچے، وقت آ گیا ہے کہ ہم قابلِ اعتراض احادیث کو delete کریں کتابوں سے، اس لیے کہ اس سے اسلام بھی بدنام ہوتا ہے، رسولؐ بھی بدنام ہوتے ہیں اور دوسرے ہنستے ہیں۔

نہ سمجھ لوگوں نے پتہ نہیں کہاں سے یہ روایات بنالیں کہ جبرئیلؑ کو دیکھ کر ڈر گئے۔ غار حرا میں ایک شخصیت دکھائی دی اور اس کو دیکھ کر ڈر گئے، اور وہاں سے ڈرے ہوئے کانپتے ہوئے آئے۔

دیکھئے!

ڈر گئے وہی کہے گا جو نورانیت کا قائل نہ ہو، جو فرشتوں کی خلقت سے پہلے بنا ہو، وہ فرشتوں کو دیکھ کر ڈرے گا نہیں۔

کہا: غار حرا میں تھے اور ایک شخصیت دیکھی ایک آدمی دکھائی دیا وہاں اور اس کو دیکھ کر ڈر گئے، اور ڈرے ہوئے گھر میں آئے اور بیوی سے کہا: مجھے چادر اوڑھا دو۔ انھوں نے کمبل اوڑھایا اور کہا: کیا بات ہے؟ تو کہا: میں نے ایسے ایسے دیکھا ہے وہاں، میری عجب کیفیت ہو رہی ہے۔

بیوی نے چادر تو اوڑھا دی، مگر وہ گھبرائی ہوئی اپنے کزن کے پاس گئی۔

دیکھئے!

معاملے کو سمجھئے، بھولے نہ بنئے، وہ اپنے کزن کے پاس گئیں، ورقہ ابن نوفل کے پاس، ان کے لیے تاریخ یہ لکھتی ہے کہ وہ تورات وانجیل کے عالم تھے، ان کے پاس گئیں۔ کہا: میرا شوہر ڈر گیا ہے، بتایئے میں کیا کروں؟

انھوں نے پورا کیس سنا تو مسکراتے ہوئے کہا: جا کر مبارک باد دے دو کہ تمھارا شوہر تو نبی ہونے والا ہے۔

دیکھئے!

اس کے اندر کیا چکر ہے، پہچانئے۔ یہ روایات یہودیوں اور عیسائیوں کی گڑھی ہوئی ہیں کہ ایک یہودی اور عیسائی عالم نے بتایا کہ ان کو نبوت ملنے والی ہے، اس سے اسلام کو بچایئے۔

وہ خوش خوش آئیں، کیا چادر میں لپٹے ہوئے ہو، تمہیں تو نبوت ملنے والی ہے۔

آپ انصاف سے بتائیے ـــــ!

ایک طرف تو کہتا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ وہ چالیس برس کے سن میں تھے۔

یہ کون سی اسلام کی خدمت ہے، یہ کون سا مرسلِ اعظم ہے۔ اور اس کے بعد وہ پھر جانے لگے۔ ایک دن وہ پھر دکھائی دیا اور اب کی بار ذرا ہمت بندھی اور ٹھہرے تو اس نے پکڑ لیا اور کہا: اِقْرَاْ (سورۂ علق، آیہ ا)

"پڑھو!"

ارے ـــــ!

ہماری سمجھ میں نہ آیا، یہ بڑا مسئلہ ہے علمائے اسلام کا، کہتے ہیں کہ وہ پڑھنا جانتے نہیں تھے، وہ کہنے لگے: میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، کیا پڑھوں؟

ارے ـــــ!

کیا باتیں کرتے ہیں کدھر سے کدھر گھمائے دیتے ہیں بات کو، کسی جاہل سے کوئی سمجھ دار نہیں کہتا کہ پڑھو، پڑھے لکھے سے کہا جاتا ہے کہ پڑھو۔

اس نے پکڑ لیا، پکڑنے کے بعد اس نے سینہ چیرا، سینہ چیر کے دل باہر نکالا، وہ اپنے ساتھ بہترین سونے کا طشت لایا تھا، اس میں دل رکھ کر دھویا۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

یہ پرانا نظریہ تھا کہ انسان کے خیالات دل میں ہوتے تھے۔ آج کی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دل صرف pumping مشین ہے، جو کچھ فکر ہے وہ دماغ میں ہوتی ہے، یہ مولوی کی جہالت تھی جس نے دل دھلوایا ـــــ (نعرۂ حیدری)

اور دیکھیے ـــــ!

بھی سے ایک غلط فہمی ہوتی ہے، ہم رسولؐ کا بھی احترام کرتے ہیں، آلِ رسولؐ کا بھی احترام کرتے ہیں اور ہم کو رسولؐ کی تعلیم آلِ رسولؐ نے دی ہے۔

اب جو ہم پر اعتراض ہوتا ہے کہ آلِ رسولؐ کو رسولؐ سے بڑھا دیتے ہیں، یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، یہ اعتراض غلط ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے لکھنؤ یونیورسٹی سے انگلش لٹریچر میں ایم اے کیا اور ایک آدمی نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم اے کیا دونوں کی لیاقت میں فرق ہوگا۔

بس ــــــ!

مسئلہ یہ ہے کہ ہم پر جو اعتراض ہے کہ علیؑ کو رسولؐ سے بڑھاتے ہیں۔ وہ اسی لیے ہے کہ لوگ رسولؐ کو اپنے گھر میں سنتے ہیں، علیؑ کو ہمارے گھر میں سنتے ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

ذکرِ مصائب!

عزیزانِ گرامی!

بات اب کل آگے بڑھے گی، آج اسلام کی تحریک کا آغاز ہوگیا۔ سلسلہ آگے بڑھا، اعلانِ رسالتؐ ہوگیا، خاندان والوں کو بلا کر دعوت دی جانے لگی۔ سلسلہ آگے بڑھ نکلا۔

اب جو کچھ باتیں ہیں وہ کل اور پرسوں کی مجلس میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ آج تو صرف اتنا کہنا ہے مجھے کہ ابوطالبؑ کا بیٹا کمسن تھا، اور تاریخ نے اس کی عمر تیرہ سال لکھی ہے۔

آج کی رات ہمیں اسی گھرانے کا ایک تیرہ برس کا لڑکا یاد آ رہا ہے جو عاشور کی رات اپنے چچا سے پوچھ رہا ہے:

چچا! کیا شہداء میں میرا نام بھی ہے؟

وہ حضرت امام حسنؑ کے صاحب زادے تھے، حضرت قاسم کربلا میں ان کی عمر مبارک کل تیرہ سال تھی۔ اپنے چچا سے پوچھ رہے ہیں: چچا! کیا شہداء میں میرا نام بھی ہے؟

تو امام حسین علیہ السلام نے عجب سوال کیا:

یابُنَیَّ کَیفَ المَوتُ عِندَکَ؟

"اے میرے لعل! یہ تو بتا کہ تیرے نزدیک موت کیسی ہے؟"

اور جیسے ہی امام علیہ السلام نے یہ سوال کیا، خدا کی قسم! تاریخ انسانیت تڑپ گئی، کیا جواب دیا ہے؟

کہا: چچا! آج موت کے لیے پوچھ رہے ہیں، شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔

یہ جواب تو ہے ہی لیکن یزیدیت کے منہ پر طمانچہ ہے کہ تم نے موت کو ہمارے سامنے کڑوا بنا کر پیش کیا، ہم محبت حسینؑ میں مرجانے کو شہد سے زیادہ میٹھا سمجھتے ہیں۔ تم جس چیز کو ہمارے لیے مصیبت بنا کر لائے ہو۔ ہمارے لیے راحت اور نعمت ہے۔

کہا: بیٹا! تیرا نام بھی ہے اور تیرے چھوٹے بھائی علی اصغر کا نام بھی ہے۔

بچہ پھر تڑپ گیا۔ اے چچا! کیا یہ دشمن خیمے تک آ جائیں گے؟

آنے والے تو تھے، مگر حسینؑ نے بتایا: نہیں، کہا: بیٹا! میں ہاتھوں پہ لے کر جاؤں گا۔

عاشور کی رات گئی، عاشور کا دن آیا، ہر ایک کو اجازت مل رہی ہے، قاسمؑ بار بار اجازت مانگتے ہیں لیکن اجازت نہیں ملتی۔

اولادِ عقیلؑ قربان ہو گئی، قاسمؑ کو اجازت نہیں ملی۔ اولادِ جعفرؑ قربان ہو گئی۔ قاسمؑ

کو اجازت نہیں ملی۔ عباسؑ کے بھائی مقتل میں جا رہے ہیں، قاسمؑ کو اجازت نہیں ملی۔

خیمے میں مظلوم جا کر بیٹھے، جب باپ دنیا سے جا رہے تھے تو الوداع کے وقت بچے کو پیار کیا تھا اور بازو پر تعویذ باندھا تھا، کہا تھا: میرے لعل! جب ایسی مصیبت میں گرفتار ہونا جس کا حل سمجھ میں نہ آئے تو یہ تعویذ پڑھ لینا۔

سبحان اللہ، اے آلِ محمدؐ، سبحان اللہ! دنیا میں تو بچوں کے تعویذ اس لیے باندھے جاتے ہیں کہ زندہ رہیں، یہ تعویذ اس لیے باندھتے ہیں کہ شہید ہوں۔

تعویذ کھول کر پڑھا تو تعویذ نہیں تھا، باپ کا خط تھا بیٹے کے نام!

"بیٹا! جب میرا حسینؑ مصیبت میں گرفتار ہو تو اپنا سر دے دینا"۔

باپ کے خط کو لیے ہوئے چچا کے پاس آئے، مصیبت کے لمحوں میں بھائی نے بھائی کی تحریر کو پڑھا۔

روایت بتاتی ہے کہ آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوئے، اور حسینؑ خاموش تھے۔

سواری آئی، گھوڑے پر سہارا دے کر قاسمؑ بٹھائے گئے، جب جانے لگے تو روایت میں ہے کہ کسی کو روانہ کرتے ہوئے حسینؑ اتنا نہ روئے، جتنا قاسمؑ کو رخصت کرتے ہوئے روئے۔

روایت بتاتی ہے کہ جب جانے لگے تو قریب بلایا اور کہا: بیٹا! اِدھر آ، قاسمؑ چچا کے قریب آئے۔ روایت بتاتی ہے کہ چچا نے ہاتھ بڑھا کر قاسمؑ کا گریبان چاک کر دیا۔

مجھے نہیں معلوم، امامؑ نے گریبان کیوں چاک کر دیا؟ شاید اس لیے چاک کیا کہ جب جانا دادا کے سامنے تو فریادی بن کے جانا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ تیرہ سال کا شہزادہ تلوار لیے ہوئے میدان میں آیا اور رجز

پڑھ رہا ہے:

"کیا تمھیں نہیں معلوم کہ میں قاسمؑ ہوں، حسنؑ کا بیٹا، علیؑ کا پوتا"۔

تلوار چل رہی ہے اور لشکر کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں۔ ایک لعین نے کہا: یہ سب کو مار ڈالے گا۔ یہ بنی ہاشم ہیں ان کو دھوکے سے مارا جاتا ہے اور اس کے بعد اس نے دھوکے سے قاسمؑ کے پہلو میں نیزہ مارا، ایک مرتبہ گھوڑے پر قاسمؑ ڈگمگانے لگے۔

عزیزانِ گرامی ---!

گھوڑے پر ڈگمگانے لگے، گھوڑے سے گرے۔ اے چچا! روایت میں ہے کہ حسینؑ اتنی تیزی سے کسی کی میت پر نہیں گئے جتنا قاسمؑ کی میت پر گئے مگر جب پہنچے تو قاسمؑ دنیا سے جا چکے تھے۔ منہ پر منہ رکھ دیا۔

اے میرے لعل! تیرا چچا آ گیا۔

عربی میں حصیر کہتے ہیں چٹائی کو، ہر ایک کی میت حسینؑ لے آئے، قاسمؑ کی میت اٹھانے کے لیے حصیر لے کر آئے۔

"اے اُم فروہ! تمھارے لعل کا لاشہ آ گیا"۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

maablib.org

مجلسِ نہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

سلسلۂ کلام ذہنِ عالی میں ہوگا ہم سیرتِ رسولؐ میں ہجرت تک پہنچے۔ کل میں نے آپ حضرات کی خدمت میں عرض کیا: اللہ نے اپنے حبیب کو حکم دیا اور سرورِ کائناتؐ مکے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے آئے، مدینے میں لوگوں نے استقبال کیا۔ لوگوں نے آنکھیں بچھائیں اور جب مدینے میں سرکار پہنچے تو وہاں کی چھوٹی چھوٹی بچیاں نعتیں پڑھ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا

"ہمارے ہاں چاند نکل آیا ہے، چودھویں کا چاند ہمارے ہاں طالع ہو گیا ہے"۔

اسی طریقے سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں پہنچ گئے اور مدینے پہنچنے کے بعد اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ مدینے میں حالات بہتر تھے، مدینے میں مخالفت کا وجود نہیں تھا۔ کچھ یہودی لوگ سازشیں کر رہے تھے۔

مدینے میں کافر لوگ سازشیں کر رہے تھے مگر مسلمانوں کو وہ تکلیفیں جو کے میں پہنچ رہی تھیں، مدینے میں ان تکلیفوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

حضورؐ تبلیغ میں مصروف ہوئے، اور اسلام کا پھیلاؤ دن چگنا رات دگنا ہونے لگا، یعنی جو جو خبریں مکہ جانے لگیں، مدینے میں کامیابیوں کی تو کے میں اضطراب بڑھنے لگا۔

اِدھر تاریخ یہ بتاتی ہے کہ سرورِ کائناتؐ نے اپنی امانتیں مولا علیؑ کے حوالے کیں اور یہ کہہ کر مکہ سے مدینے چلے گئے اور کہا: میرے جانے کے بعد یہ امانتیں لوگوں کو پہنچا دینا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہجرت کی رات گزری اور سویرا ہوا۔ ہجرت کے معنی بڑے وسیع ہیں۔ ہم نے ہجرت کے معنی یہ لے لیے ہیں کہ کوئی آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا گیا تو اس نے ہجرت کی۔

یہ بھی ہجرت ہے، مگر ہجرت کا مفہوم خالی اتنا ہی نہیں ہے۔ قرآن میں مہاجر کی تعریف ہے، اللہ مسلمان کو مردِ مہاجر دیکھنا چاہتا ہے، ہجرت کرنے والوں کی مدح قرآن و حدیث میں ہے۔

ہجرت یہ بھی ہے کہ انسان بُری صفتوں سے اچھی صفتوں کی طرف ہجرت کرے، ظلم سے عدل کی طرف ہجرت کرے۔ بدی سے نیکی کی طرف ہجرت کرے، شر سے خیر کی طرف ہجرت کرے، کفر سے اسلام کی طرف ہجرت کرے۔ اگر آدمی اچھائیوں کی طرف جاتا ہے اور بُرائیوں کو چھوڑتا ہے تو اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے مہاجر ہے۔ چنانچہ شبِ ہجرت دو ہجرتیں ہوئیں۔ حضورؐ نے ہجرت کی مکے سے مدینے کی طرف اور علیؑ نے بسترِ رسولؐ پر لیٹے لیٹے ہجرت کی۔ جب لیٹے ہیں تو نفسِ علیؑ، نفسِ علیؑ نہ تھا، جب جاگے ہیں تو ہجرت کر کے اللہ تک پہنچ چکا تھا۔ (نعرۂ حیدری)

اِدھر سویرا ہوا، کافر رسولؐ کے گھر میں کودے، سونے والے نے چادر اُلٹی، نظر سے نظر لڑی، قدم وہی رُکے، کسی کافر نے آگے بڑھ کر پوچھا: کہاں ہے تمھارا بھائی؟

جتنا زیادہ ڈانٹ کے اس نے پوچھا تھا اس سے زیادہ ڈانٹ کے جواب دیا: میرے حوالے کیا تھا جو لینے آیا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ کافر چپکے سے چلے گئے، حالانکہ عقل یہ کہتی ہے کہ ان کو چاہیے تھا کہ علیؑ کو پکڑ لے جائیں اور ان پر تشدد کریں کہ بتاؤ کہاں ہیں؟ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، کیوں نہیں کیا؟

یہ تو اللہ جانتا ہے مگر میرا دل یہ جانتا ہے کہ شاید یہ دعوت ذی العشیرہ کے ڈرے ہوئے ہیں۔

جتنی بھی امانتیں جو تھیں کافروں کی وہ سب علیؑ نے دے دیں، اور اس کے بعد سواری کا بندوبست کیا، تو بمشکل تین اُونٹ مہیا ہوئے۔ تین خواتین تھیں جن کو علیؑ نے اپنے ساتھ لے جانا ہے، اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ تینوں بیبیوں کا نام فاطمہؑ تھا: (۱) فاطمہؑ بنت اسد (۲) فاطمہؑ بنت حمزہؓ (۳) فاطمہؑ بنت محمدؐ۔

تین اُونٹ مہیا ہوئے۔ ان تینوں اُونٹوں پر اماریاں رکھ کر تین خواتین بیٹھیں، مولا علیؑ اور دو رہبر پیدل چلے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب یہ تھوڑا آگے بڑھے مکے سے، تو تین چار تلوار چلانے والوں کا ایک گروپ ان کو تلاش کرتا ہوا آیا۔ تو رہبر جو تھے وہ رونے لگے تو علیؑ نے ان سے کہا: تم رؤو مت، اُونٹ بٹھاؤ۔ اُونٹ بٹھائے گئے، اماریوں سے ایک طرف بیبیاں اُتار کر بٹھا دی گئیں۔

خدا کی قسم! یہ ایک عجیب و غریب منظر تھا، مولا علیؑ نے رہبروں سے کہا: اُونٹوں کے پیر باندھ دو تاکہ یہ بھاگنے نہ پائیں۔

دیکھئے ۔۔۔!

غیر فرار کے ساتھ رہنے میں یہ فائدے ہیں کہ آدمی تو آدمی اُونٹ بھی نہ بھاگے۔

انھوں نے اُونٹوں کے پیر بندھوا دیے، اب وہ سامنے آگئے۔ اُدھر وہ سامنے آئے اور اِدھر علیؑ تلوار لے کر سامنے آئے۔

کہا: کیا بات ہے؟

کہا: ہم نہیں جانے دیں گے۔

ایک دفعہ تلوار کی بجلی چمکی، کہا: روک لے۔

ایک گرا، دوسرا آگے بڑھا، وہ بھی گرا۔ اب جب دو گر گئے تو بقیہ یہ سمجھے کہ اب ہم بھی گریں گے۔ لہٰذا وہ بھاگ گئے۔ وہ اُدھر چلے اِدھر مولا علیؑ نے کہا: اُونٹ کے پیر کھول دو۔

سرورِ کائناتؐ منزلِ قبا میں جا کر ٹھہر گئے اور مولا علیؑ کا انتظار کرتے رہے۔ جب مولا علیؑ تشریف لائے تو حضورؐ اپنے بھائی علیؑ کے ساتھ مدینے میں وارد ہوئے۔ مدینے میں آنے کے بعد اسلام کی تبلیغ شروع ہوئی اور اُدھر مکہ میں اضطراب کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اِدھر مدینے میں مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوگئی۔

خدا کی قسم! عجب ایمان افروز منظر تھا۔ جب مدینے میں مسجد بن رہی تھی۔ آج وہ مسجد موجود ہے اور جو زیارت کرنے جاتے ہیں وہ اس مسجد میں جاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، شرف حاصل کرتے ہیں۔

کہاں یہ مسجد، کہاں وہ مسجد، کل وہ سادہ سی مسجد تھی۔ مگر خدا کی قسم! جبرئیلؑ بھی اس میں آتے تھے، رسولؐ بھی اس میں بیٹھتے تھے، ملائکہ بھی اس میں آتے تھے، خضرؑ بھی حاضری دیتے تھے۔ مولا علیؑ بھی تشریف فرما ہوتے تھے، عجیب نورانی منظر

تھا، عجب روحانی جلوہ تھا۔

اور تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسجد بن کے تیار ہوئی تو کیا خوشی کا دن تھا مسلمانوں کے لیے کہ آج پہلی مرتبہ ہمارا اپنا ٹھکانا بنا ہے۔

سرکار دو عالمؐ تشریف فرما ہیں اور تمام مسلمان بیٹھے ہیں۔ ایک سے ایک عرب بیٹھے ہیں، ایک سے ایک قریشی بیٹھے ہیں۔ ایک سے ایک ہاشمی بیٹھے ہیں، مہاجر و انصار حاضر ہیں۔

اور اب ذرا دیر میں نماز کا وقت آنے والا ہے اور ہر ایک انتظار میں ہے کہ اب رسولؐ اذان کے لیے کس کو حکم فرماتے ہیں، اس لیے کہ مسجد میں دو ملازمتیں ہوتی ہیں: ایک پیش نماز کی، ایک مؤذن کی۔ پیش نماز اللہ نے چن لیا سرورِ کائناتؐ اس مسجد کے پیش نماز ہیں، مؤذن کے لیے اللہ نے رسولؐ کو حکم دیا کہ مؤذن تم مقرر کرو۔

اب ہر ایک انتظار کر رہا ہے کہ کس کو آواز دے رہے ہیں۔ ایک شخص جس کا رنگ کالا تھا، جس کے پاس جتھا نہ تھا، جس کے پاس پیسہ نہ تھا، جس کے پاس لوگ نہ تھے، جس کے پاس گروپ نہ تھا، مگر دل میں ایمان کا نور تھا۔ ایمان کی وجہ سے نگاہِ رسالت رُک گئی اس پہ جا کے، اور آواز دی: بلالؓ!

بلالؓ کانپتے ہوئے اُٹھے، کہا: آقا! حکم؟

عزیزانِ گرامی ـــــ!

دنیا اسلام کو بادشاہوں سے سمجھتی ہے، اسلام کو رسولؐ اللہ سے سمجھیے۔

آپ سوچیے ـــــ!

یہ کالا غلام کتنا خوش ہوا ہوگا کہ جب سرورِ کائناتؐ نے عربوں کی موجودگی میں، سرداروں کی موجودگی میں، طاقت وروں کی موجودگی میں، اس کو اذان دینے کا

حکم دیا ہوگا۔ یہ اسلام کی اصل بنیاد ہے۔

بلالؓ! اذان دو۔

بلالؓ نے اذان دی اور سارے مسلمانوں نے اذان سنی اور سرورِ کائناتؐ نے نماز پڑھائی۔ سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اِدھر مکّہ میں ہنگامہ تھا، یہاں تک کہ ۲ ہجری میں مکّہ والوں نے ایک ہزار کا لشکر جمع کر کے سرورِ کائنات کو قتل کرنے کے لیے مکّہ سے لشکر روانہ کیا، ایک ہزار کا لشکر مکّہ سے چلا۔

مدینے میں اطلاع آئی کہ مکّہ سے ایک ہزار کا لشکر نکلا ہے، مدینے پر حملہ کرنے کے لیے۔ مسلمان جمع ہوئے، سرورِ کائناتؐ کے لشکر میں کل تین سو تیرہ آدمی ہوئے۔ حضورؐ تین سو تیرہ آدمیوں کو لے کر مدینے سے نکلے۔

بدر نام کا ایک کنواں تھا تھوڑا آگے بڑھ کے، اس لیے وہ میدان، میدانِ بدر کہلاتا تھا۔ بدر کے میدان میں سرورِ کائناتؐ نے اپنا کیمپ لگایا، جو اُونچا حصّہ تھا اس پر رسولؐ نے اپنا کیمپ لگایا اور نیچا حصّہ تھا وہ مکہ کی طرف تھا، تو کفار کا لشکر آ کر اُدھر ٹھیرا۔

ایک ہزار کفار کا لشکر اُدھر، تین سو تیرہ مسلمانوں کا لشکر اِدھر۔ رات کو پانی برس گیا، زمین تھی ریتیلی۔ لشکرِ اسلام والی زمین پہ پانی برس کے بہہ گیا، یہ زمین سخت ہوگئی۔ ان کی movement میں آسانی ہوگئی، اُن کے ہاں پانی بھر گیا، اُن کے ہاں کیچڑ ہوگئی، ان کے ہاں زحمت ہوگئی۔

اور اب جب سویرا ہوگیا، تو کھلے میدان میں اسلام و کفر کی یہ پہلی لڑائی تھی جو لڑی گئی۔

عزیزانِ گرامی ــــ!

جب تک اسلام رہے گا اور جب تک مسلمان رہیں گے، اس وقت تک تاریخ

میں جنگِ بدر کا نام بھی رہے گا، جنگِ بدر کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔

سویرا ہوا، دونوں طرف سے لشکر آراستہ ہوئے، کافروں کے لشکر سے تین آدمی نکلے، جو اسلام دشمنی میں بڑے پختہ تھے۔ ایک کا نام تھا عتبہ، دوسرے کا نام تھا شیبہ اور تیسرے کا نام تھا ولید۔ تین آدمی لشکرِ کفار سے نکلے بتوں کی حمایت میں اور اللہ کی دشمنی میں ـــــ اور وہاں وہ پکارے: کہ ہے کوئی جو ہمارے سامنے آئے، ہم قریشی بہادر تمھیں بلا رہے ہیں؟

اس وقت انصار آگے بڑھے، آگے بڑھ کر عرض کرتے ہیں: یا رسولؐ اللہ! جب تک ہم زندہ ہیں نہ آپؐ کو جانے دیں گے نہ آپؐ کے مکّہ کے کسی آدمی کو جانے دیں گے۔ اس لیے کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھ آنے والے لوگ ہمارے مہمان ہیں۔ میزبان کے لیے بڑی ذلت کی بات ہے کہ مہمان لڑے اور میزبان گھر میں بیٹھے۔ جب تک ہم زندہ ہیں، ہم مقابلہ کریں گے۔

بے شک انصار نے نام رکھ لیا مہمان نوازی کا، بات ٹھیک تھی، رسولؐ اللہ نے مان لی، تین جوان اسلحہ لگائے آئے، سامنے پہنچے، وہ آدمی جو کھڑے تھے انھوں نے کہا: تم کون ہو؟

کہا: ہم مدینہ والے ہیں۔

انھوں نے کہا: سنو! ہم تم سے نہیں لڑیں گے، ہم مکہ والے ہیں، ہم بڑے لوگ ہیں، ہم قریشی ہیں، ہم اپنے برابر والوں سے لڑتے ہیں اپنے سے چھوٹوں سے نہیں لڑتے۔ تمھیں مارنا بھی ہماری توہین ہے اور تمھارے ہاتھ سے مرنا بھی ہماری توہین ہے، لہٰذا تم واپس جاؤ اور اپنے رسولؐ سے کہنا کہ کیا مکّہ کے اصول بھی بھول گئے؟ یہ کس کو بھیج دیا ہمارے سامنے؟

رسولؐ اللہ نے ان کو واپس بلا لیا۔ اب یہ واپس آگئے۔ اب تین خاندانی

چاہییں تھے جو لڑنے کے لیے جائیں۔ رسولؐ نے اپنے لشکر پر نظر کی۔ حمزہؓ! آپ آیئے، عبیدہ! تم آؤ، علیؑ تم آؤ۔ لشکرِ اسلام سے تین آدمی نکلے: ① حمزہؓ ② عبیدہ ③ علیؑ۔

یہ تین آدمی چلے، ان کے مقابلے میں جو اُدھر کھڑے تھے۔

اچھا ــــــ!

وہ تین جو اُدھر کھڑے تھے، مَیں ان کا تعارف کرادوں آپ کو تاکہ آپ ان کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہیں۔ اُدھر جو کھڑے تھے وہ کون تھے اور اِدھر جو کھڑے تھے یہ کون تھے؟

ذرا اپنے جذبۂ اسلام کو جگا لیجیے تو نام سناؤں۔ لشکرِ کفر کے تین آدمیوں میں عتبہ ہے، شیبہ ہے، ولید ہے۔

عتبہ یزید کی دادی کا باپ، شیبہ یزید کی دادی کا چچا، ولید یزید کی دادی کا بھائی۔

پہچان گئے ــــــ!

اس لیے کہ سب جانتے ہیں، یزید کو سب جانتے ہیں۔

اور اِدھر سے جو تین آدمی آئے: حمزہؓ، حسینؑ کے باپ کا چچا، عبیدہ حسینؑ کے باپ کا چچازاد بھائی، علیؑ حسینؑ کا باپ۔ تین رشتہ دار آئے ہیں حسینؑ کے اللہ کی طرف سے، تین رشتہ دار آئے ہیں یزید کے، بتوں کی طرف سے۔

یہ لڑائی ہو رہی ہے ۲ ہجری میں، ساٹھ برس کے بعد ۶۱ ہجری میں جو لڑائی ہو رہی ہے اس میں ایک طرف حسینؑ کھڑے ہیں، ایک طرف یزید کھڑا ہے۔ مسلمان فیصلہ کریں کدھر جائیں گے؟ ــــــ (نعرۂ حیدری)

کھڑے ہیں ایک دوسرے کے سامنے، اب حمزہؓ آئے بیچ میں۔ حمزہؓ اس

لیے تھے کہ چونکہ بڑے چچا تھے، ایک طرف ان کے عبیدہ ہیں اور ایک طرف علیؑ ہیں۔ چہرے پہ لوہے کی جالیاں ہوتی تھیں پہلے اور آ کر حمزہؓ نے نقاب الٹی، کہا: میں ہوں حمزہؓ، یہ میرا بھتیجا عبیدہ ہے اور یہ میرا بھتیجا علیؑ ہے، بتاؤ کیا کہتے ہو؟

اب تلوار چلی، تو اب سن وسال کے حساب سے جوڑے بٹ گئے، اِدھر سب سے بڑے حمزہ تھے اُدھر سب سے بڑا عتبہ تھا، تو حمزہ اور عتبہ آمنے سامنے ہوئے۔ اِدھر نمبر دو پر عبیدہ تھے اُدھر نمبر دو پر شیبہ تھا۔ اِدھر سب سے young علیؑ تھے اُدھر سب سے young ولید تھا۔

دونوں طرف کے لشکروں کی سانسیں رُکی ہوئی ہیں اور نگاہیں لگی ہیں اور تلوار کھنچ گئی اور اب تلواریں چمک رہی ہیں، سب سے پہلے جس نے اپنے سامنے والے کو گرایا وہ علیؑ تھے۔

اِدھر ولید گرا اُدھر دو ہی منٹ میں حمزہؓ نے اپنے سامنے والے کو گرایا۔ علیؑ اپنے والے کو ختم کر کے گھوم رہے تھے کہ دیکھا ابھی تک عبیدہ اُلجھے ہوئے ہیں اپنے سامنے والے سے، تو تبر کا ایک ہاتھ اُدھر بھی ــــ (نعرۂ حیدری)

یہ تین لاشیں میدان میں پڑی ہیں، یہ عتبہ کی لاش ہے، یہ شیبہ کی لاش ہے، یہ ولید کی لاش ہے۔ اور تین آدمی کھڑے ہیں۔ تلوار سے خون صاف کر رہے ہیں، حمزہؓ، عبیدہؓ اور علیؑ۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہندہ کا ایک لڑکا جوان ہو گیا تھا جس کا نام تھا حنظلہ۔ اس نے جب اپنے رشتہ داروں کو اس طرح خون میں لوٹتے ہوئے دیکھا تو بے چین ہو کر آ گیا۔ حمزہ اور عبیدہ نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ مگر علیؑ بڑے رحم دل انسان تھے، ان سے کسی کی بے چینی نہیں دیکھی جاتی تھی۔

بس ــــ!

وہ آ گیا تلوار لے کر علیؑ کے سامنے علیؑ نے بھی اس کو اس کے بزرگوں کے پاس پہنچا دیا۔

اور میدان میں چار لاشیں پڑی ہیں، یہ چاروں لاشیں یزید کے خاندان کی ہیں۔ یہ چاروں لاشیں ہندہ کے خاندان کی ہیں، یہ چاروں لاشیں ابوسفیان کے خاندان کی ہیں۔

یہ کاہے کو مرے ہیں؟ کفر کے لیے، بتوں کے لیے، خدا کی دشمنی میں موت آئی ہے۔ عداوتِ محمدؐ میں موت آئی ہے۔

ساٹھ برس کے بعد یزید کہتا ہے:

لَيْتَ اَشْيَاخِي بِبَدْرٍ شَهِدُوْا

''کاش! میرے بدر والے بزرگ زندہ ہوتے اور یہ منظر دیکھ کر خوش ہوتے''۔

اب بھی مسلمانوں کی سمجھ میں حق نہیں آئے گا اور یزید امیر المومنین ہی رہے گا (معاذ اللہ)_____! (نعرۂ حیدری)

اب جم کے تلوار چلنے لگی، اور علیؑ بھی تلوار چلا رہے ہیں اور حمزہ بھی تلوار چلا رہے ہیں اور رسولؐ اللہ کے اصحاب و انصار، چاہنے والے، مصروفِ جہاد ہیں اور تلوار چل رہی ہے اور چلتے چلتے تھوڑی دیر میں لڑائی کا نقشہ بگڑا، اور وہ تمام کے تمام دشمنانِ رسولؐ جو شانِ رسالتؐ میں گستاخی کیا کرتے تھے۔ موت کے گھاٹ اُتر گئے، مرنے والوں میں ابوجہل بھی شامل تھا۔

اور تاریخ بتاتی ہے کہ اب مسلمانوں نے کچھ قیدی گرفتار کیے، ستر آدمی مارے گئے، ستر آدمی قید ہوئے، باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ستر آدمی جو مارے گئے ان میں ۳۵ علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے، ۳۵ بقیہ لشکرِ اسلام کے ہاتھوں مارے گئے۔

بدر کی لڑائی تمام ہوئی، مکے والے انتظار میں تھے کہ محمدؐ کا سر آرہا ہوگا، وہاں سر آنے کے بجائے جب وہاں یہ لٹے ہوئے پلٹے، تو سر کے بدلے ان کو یہ خبر ملی کہ لڑائی ہار گئے ہیں۔ جب یہ خبر ملی کہ لڑائی ہار گئے ہیں، اور سب مارے گئے ہیں۔

تو دیکھئے ــــــ!

یہ نیچرل بات ہے کہ کہیں پہ کوئی گروپ جائے اور بہت سارے لوگ مارے جائیں تو جب پلٹ کے آئے گا وہ گروپ تو ہر آدمی کی آنکھیں اپنے والے کو ڈھونڈ رہی ہوں گی۔

اب پوچھا: وہ کہاں ہیں؟

کہا: مارے گئے؟

کہا: کس نے مارا؟

کہا: علیؑ نے مارا۔

سال بھر تک مکے میں رونا ہوا، سال بھر چندہ ہوا، سال بھر ڈھول بجا بجا کر گئی ہندہ ہر ایک کے دروازے پہ، اور اس سے پیسے لائی۔ اب یہ چندے کا معاملہ، اللہ جانے کتنے کمائے کتنے لائے۔

بہرحال ــــــ!

تاریخ لکھتی ہے کہ چندہ ہوا اور سال بھر میں ابوسفیان نے لشکر کی طاقت تین گنا بڑھائی اور تین ہزار کا لشکر لے کر چلا، قتلِ محمدؐ کے واسطے۔

کہا: ہم بدلہ لینے آئے ہیں، بدر کا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ سرورِ کائناتؐ کے پاس سات سو آدمی تھے۔

ہندہ اپنے ساتھ عورتیں بھی لائی، جو گاتی بجاتی ڈھول بجاتی ہوئی آئی تھیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام کی اس تاریخ کی موجودگی میں صدرِ اول میں

بزرگانِ اسلام نے بنو اُمیہ کو اقتدار سونپ کیسے دیا، یہ بات غور طلب ہے۔

ہندہ مکے کی عورتوں کو لے کر آئی تھی، مقامِ اُحد جب آپ حج کو جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں، وہاں پر دونوں لشکر آمنے سامنے آئے۔

سرورِ کائناتؐ کے پاس سات سو آدمی تھے، دشمن کے پاس تین ہزار آدمی تھے، حضورؐ کی طرف جو ایک side تھے اس میں ایک خرابی تھی، وہ یہ تھی کہ اُحد کا پہاڑ جو تھا وہ دشمن کو ان کے پاس آنے سے روکتا تو تھا، مگر اس کے اندر ایک مقام تھی، کہ اگر اس مقام سے آدمی آجائے تو بہت فائدہ ہو۔

سرورِ کائناتؐ نے پچاس آدمی ایک کے زیرِ سایہ اس مقام پر بٹھائے، اور کہا: لڑائی میں ہماری ہار ہو یا جیت ہو، تم یہی بیٹھے رہنا، اور تیر پھینکتے رہنا، تاکہ دشمن اِدھر سے حملہ نہ کر سکے۔

اب لشکرِ اسلام ہے چھ سو پچاس، اور لشکرِ کفار ہے تین ہزار، اور دونوں لشکر آمنے سامنے ہیں۔ دونوں لشکروں میں تلوار چلنے سے پہلے، دونوں لشکروں کے بیچ سے، ہندہ گلے میں ڈھول ڈالے ہوئے گزری۔ وہ گا رہی ہے اور عورتیں اس کے ساتھ سُر ملا رہی ہیں۔ گانا پورا تاریخ میں لکھا ہوا، مگر ہمارے مذہب کی تہذیب اس گانے کو منبر پر کہنے کی اجازت نہیں دیتی۔

اِدھر یہ گا بجا کے گزریں، اُدھر سے علم دار آیا، اِدھر سے حیدرِ کرارؑ نکلے، دو ہاتھ چلے، علم دار گرا، دوسرا آیا وہ گرا، تیسرا آیا وہ گرا، چوتھا، پانچواں چھٹا، ساتواں۔

سات میتیں پڑی تھیں، ساتواں جب گرا تو اب کوئی علم اٹھانے والا نہیں تھا، دیر تک علیؑ انتظار میں کھڑے ہیں۔ آخر یہ منظر ایک عورت سے دیکھا نہ گیا، آ کر اس نے یہ علم اُٹھا لیا۔

مولاؑ نے جب یہ منظر دیکھا تو واپس چلے گئے اب دونوں لشکر ملا کر لڑنے لگے

اور زبردست مقابلہ ہونے لگا۔

اب یہاں پر ایک بات سُنا دوں آپ کو وقت تمام ہے، جتنا پڑھ سکا کل پڑھوں گا۔

آج اتنا سُن لیجیے ——!

بعض لوگ کبھی کبھی کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہوتے ہیں، کہتے ہیں: نعرے وغیرہ لگتے ہیں یہ کیا ہے؟

دیکھیے ——!

لگایے یا نہ لگائے وہ آپ کا فعل ہے، لیکن اگر کوئی لگا رہا ہے تو اعتراض نہ کیجیے۔

میں آپ کو اسلامی تاریخ کی روشنی میں نعرے کی تعریف سنا دوں۔

دیکھیے ——!

جنگِ اُحد جب ہو رہی ہے وہ آج کا زمانہ نہیں ہے، کوئی چار برس پہلے مسلمان ہوا ہے، کوئی پانچ برس پہلے مسلمان ہوا ہے۔ تو وہ آپ جیسے صدیوں بعد والے مسلمان نہیں تھے۔

کسی زمانے میں وہ بت پرست تھے۔ عزیٰ کعبہ کا ایک بت تھا، حماقت کی علامت تھا، جب لشکرِ کفار لڑنے لگا تو کافروں نے نعرہ لگایا:

إِنَّ لَنَا عُزًّا وَلَا عُزًّا لَكُمْ

"ہمارے پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس عزیٰ نہیں ہے"۔

لوگ آئے رسول اللہ کے پاس، یارسول اللہ! لوگ نعرے لگا رہے ہیں۔

رسول اللہ نے فرمایا: مسلمانوں سے کہو، یہ نعرہ لگاؤ:

اللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَا لَكُمْ

"اللہ ہمارا مولا ہے تمہارے پاس مولا نہیں ہے" ـــــ! (نعرۂ حیدری)

اس کا مطلب یہ ہے کہ نعرہ رسولؐ اللہ نے لگوایا ہے، روکا نہیں ہے۔

اب یہاں تک کتاب میں لکھا ہے، اس سے آگے کتاب میں نہیں لکھا ہے، میرا اپنا خیال ہے، جو میں آپ کے سامنے ظاہر کرتا ہوں، آپ کا دل چاہے مانئے، دل چاہے نہ مانئے۔

ہم یہ نعرہ لگاتے رہے، لڑائیاں ہوتی رہیں، جب غدیر میں ہم کو نیا مولا مل گیا ـــــ (صلوٰۃ)

ذکرِ مصائب!

بس ـــــ! عزیزانِ گرامی!

یہ ہے اسلام کی تاریخ، زندگی رہی تو کل آگے بڑھے گا مضمون۔ آج تو مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ یہ عداوت، کفر کے دل میں جو بھری تھی، اسلام کے خلاف یہ کربلا میں نکلی، بقول میر انیس:

مدت سے تھے جو شام سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسینؑ پر ترکش بھرے ہوئے

یہ عداوت کربلا میں نکلی، جہاں لوگوں نے محمدؐ کی دشمنی کا بدلہ محمدؐ کی شکل والے علی اکبرؑ سے لیا۔ وہ کیسے مسلمان تھے جنھوں نے تصویرِ محمدؐ کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

آج کی رات ہم شبیہِ پیغمبرؐ علی اکبرؑ کا ماتم کرتے ہیں، ہماری جانیں نثار، جو صورت وسیرت میں، رفتار و گفتار میں، پیغمبرؐ اسلام کی تصویر تھا۔

ہائے ـــــ!

وہ لوگ جنھوں نے علی اکبرؑ کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا، صبح سے لے کر شام تک سب سے پہلی اجازت علی اکبرؑ کو ملی تھی۔

جب لشکر تیار ہو گئے، تو حسینؑ نے سب سے پہلے علی اکبرؑ سے کہا تھا:

تَقَدَّمْ یَا وَلَدِی

"بیٹا! آگے بڑھ"۔

اصحاب باوفا نے گردنوں پر خنجر رکھ دیے، یا ابا عبداللہ! ہمارے ہوتے ہوئے، شہزادہ جائے گا؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

قربانیاں ہوتی رہیں، اصحاب باوفا جان دیتے رہے، اعزہ قربان ہوتے رہے، یہاں تک کہ آخر میں جب کوئی نہ رہا، تو علی اکبرؑ آئے، کہا: بابا! مجھے بھی اجازت دیجیے۔

حسینؑ نے سب کو روکا، سوائے علی اکبرؑ کے، صرف اتنا کہا: خیمے میں جا کر رخصت ہو لو۔ شہزادہ خیمے میں گیا، کیا باتیں ہوئیں، مجھے نہیں معلوم۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ ایسے نکلے جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکلتا ہے، شہزادہ خیمے سے باہر نکلا۔ باپ نے اجازت دی۔

کہا: جاؤ بیٹا! —— خدا حافظ!

علی اکبرؑ میدان جہاد میں آئے، ایک ملعون علی اکبرؑ کے مقابلے میں آیا۔ جناب لیلیٰؑ دروازے پر کھڑی تھیں، حسینؑ کے چہرے پر بے چینی دیکھی تو پوچھا: کیا میرا لعل زخمی ہو گیا ہے؟

کہا: نہیں لیلیٰؑ! ایک پہلوان مقابلے میں آیا۔

بی بی خیمے میں گئیں، ساری بیبیوں کو بلایا، دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے:

"اے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے ملانے والے! میرے علی اکبرؑ کو ملا دے"۔

ابھی دعا کے اُٹھے ہوئے ہاتھ نیچے نہیں آئے تھے کہ اطلاع ملی کہ علی اکبر "کامیاب ہو گئے، ماں جب در خیمہ پر آئی تو علی اکبرؑ باپ کے پاس کھڑے تھے، مگر پہچانے نہیں جا رہے تھے، زخمی حالت میں تھے۔

ایک دفعہ کہا: بابا! پانی کی کوئی سبیل ہے؟

کہا: بیٹا! عنقریب نانا رسولؐ تجھے کوثر پلائیں گے۔

علی اکبرؑ یہ سن کر مقتل کی طرف چلے گئے۔

بی بی لیلیٰؑ خیمے میں چلی گئی، شہزادی زینبؑ در خیمہ پر آ گئی۔ حسینؑ انتظار میں کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ایک آواز آئی:

يَا اَبَتَاهُ عَلَيْكَ مِنِّى السَّلَامُ

"بابا! میرا اسلام لیجیے"۔

اب حسینؑ چلے تو کہہ رہے تھے: یا علیؑ اے مولا! علی اکبرؑ کو پکار دیا شاہِ نجف کو؟ مقتل میں باپ کو علی اکبرؑ مل گئے، علی اکبرؑ کے سرہانے بیٹھ گئے، آسمان کو دیکھا، اپنی تنہائی کو دیکھا، خیموں سے رونے کی آواز سنی۔ بیٹے کے سینے میں ٹوٹے ہوئے برچھی کے پھل کو دیکھا۔

صبرِ ایوبؑ قربان، آستینیں اُلٹیں، علی اکبرؑ کے سینے میں ٹوٹے ہوئے برچھی کے پھل میں ہاتھ ڈالا، ایک ہاتھ زمین پر ٹیکا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پھل تو نکل آیا، علی اکبرؑ کا دم نکل گیا، منہ پر منہ رکھ دیا۔

وَا وَلَدَاهُ

ارے میرے لعل! ارے میرے بیٹے! علی اکبرؑ!!

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلسِ دہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۹)

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

میں نے دس روز مسلسل آپ کے سامنے اسلام کی ایک تاریخ پیش کی۔ میرا تقاضا صرف ان صاحبانِ انصاف سے ہے جن کے سامنے میں نے اسلام کی تاریخ اور رسولؐ کے خاندان کی خدمات پیش کی ہیں۔ ایک طرف ہمارے رسول کا خاندان تھا جو اسلام کے لیے ہر قربانی دے رہا تھا۔ دوسری طرف ابوسفیان کا خاندان تھا جو اسلام کی ہر طرح مخالفت کر رہا تھا۔ تاریخ اسلام کی، تاریخ انسانیت کی، آدمیت کی، شرافت کی بدنصیبی یہ ہوئی کہ اقتدار آلِ ابوسفیان کے ہاتھ میں آ گیا اور انھوں نے اسلام سے بھی بدلہ لیا اور بانیِ اسلام کے خاندان سے بھی بدلہ لیا۔

اسکیمیں تو بہت بڑی بڑی تھیں، پروگرام تو بہت زیادہ تھے مگر وہ تو یہ کہیے کہ رسولؐ جن کے لیے لوگوں نے ابتر کہہ کے، بے اولاد کہہ کے یہ سوچ لیا تھا کہ اب ان کی نسل میں کوئی ہے ہی نہیں، تو ان کا مسیج آگے کیا بڑھے گا؟ اللہ نے کوثر دے کے، کثرت نسل دے کے، ان کے دین کے بچاؤ کا انتظام کر لیا۔

جب محمدؐ چلے گئے تو لوگ یہ سمجھے کہ اب محمدؐ تو چلے گئے ہیں، اب جس طرح چاہو دین محمدؐ کو بگاڑ لو، وہ یہ بھول گئے تھے کہ محمدؐ تو چلے گئے مگر کُلُّنَا مُحَمَّدٌ کہہ کے گئے ہیں، لہٰذا محمدؐ نہیں رہیں گے، مگر نسلِ محمدؐ میں جو بھی رہے گا وہ کارِ محمدؐ انجام دیتا رہے گا۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

حضورؐ اپنا دین پہنچا کے چلے گئے مگر ہم کو بے سہارا چھوڑ کے نہیں گئے بلکہ ہم کو جو دستور دے کے گئے، ہم کو جو راستہ بتا کے گئے وہ راستہ یہ تھا کہ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ "میں تمھارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب ہے، ایک میری عترت ہے، اہلِ بیتؑ ہیں جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے، میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آ جائیں۔

ہم نے رسولؐ کے ارشاد کے مطابق قرآن کو کلیجے سے لگایا، اہلِ بیتؑ کا دامن ہاتھ میں لیا اور اپنا راستہ طے کرنا شروع کیا۔ اب چونکہ ہم قرآن و اہلِ بیتؑ کے ساتھ چل رہے تھے، لہٰذا ہم نے داہنے بائیں مڑ کے نہیں دیکھا کہ کون کون حضرات تشریف فرما ہیں، کیونکہ ہم ادب سے سرکاروں کو سلام کرتے ہوئے نہیں گئے، لہٰذا تاریخ ہم پر بگڑ گئی اور یہ بھی الزام لگایا کہ ان کا ایمان قرآن پر نہیں ہے اور یہ بھی الزام لگایا کہ یہ اہلِ بیتؑ کو نہیں مانتے۔ ہم مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں، جب ہم گمراہ ہی ہیں تو سرکار کو گمراہوں کے لیے پریشانی کیوں؟ بھئی بھٹکے ہوئے، گمراہ قرآن کو نہ ماننے والے، اہلِ بیتؑ سے عقیدت نہ رکھنے والے، ان کو جانے دیجیے جہاں جاتے ہیں، ان کے لیے کسی قسم کی پریشانی کیا ہے؟ لیکن نہ جانے کون سی

پریشانی ہے کہ یکساں سوال ہو رہے ہیں۔ میری پرسوں کی تقریر یاد کیجیے جو میں نے کہا تھا کہ میں جواب نہیں دوں گا، سوال کروں گا۔ آج آخری مجلس ہے، میں آپ کو ایک ایسے نکتے کی بات بتاتا جاؤں کہ اس کے بعد ہر ڈسکشن ختم ہو جائے۔

توجہ چاہتا ہوں ــــــ!

آپ کے یہاں یہ کیا ہے؟ یہ علم کیا چیز ہے؟ یہ تعزیہ کیا چیز ہے؟ یہ سینہ زنی کیا چیز ہے؟ یہ ماتم کیا چیز ہے؟ یہ رونا کیا چیز ہے؟ یہ یاعلی کیا چیز ہے؟ یہ نعرۂ حیدری کیا چیز ہے؟ یہ سجدہ گاہ کیا چیز ہے؟

دیکھیے ــــــ!

اس کا سلسلہ پچاس برس ہم آپ باتیں کرتے رہیں تو پورا نہیں ہوگا۔ ایک ایک سوال آتا رہے گا، اس کا جواب جاتا رہے گا۔ دس مجلسیں کیا سو مجلسیں ہوں تو پورا نہیں ہو سکتا معاملہ۔ میں آپ کو بالکل ایک سیدھی سی بات بتا دوں۔ یہ کیا، وہ کیا اور وہ کیا اور وہ کیا کا ایک سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ہم نے اسلام میں جس کو رہبر مانا، اس نے جو بتایا وہ ہم کرتے ہیں۔ اب یہ ڈیڑھ سو، دو سو، پانچ سو سوال بیکار ہیں۔ ہم سے ایک سوال کیجیے کہ آپ نے جو علی کو رہبر مانا، یہ علی کون ہیں؟ ــــــ (صلوات)

اگر سوال کرنا ہے تو ہم اپنی لائن آپ کو بتائے دیتے ہیں، ان شاء اللہ ہمارے بچے بچے سے آپ پوچھ لیجیے، چھوٹے چھوٹے بچے جو یہاں آئے ہیں، ان سے پوچھ لیجیے۔ تو ہماری لائن ایک پانچ یا سات برس کا بچہ بتا دے گا اور اس میں نہ ہمیں کوئی شرمندگی ہے، نہ پریشانی ہے۔ یہ بات ہم اس وقت حالت امن و امان میں منبر پہ کہہ رہے ہیں لیکن یہ بات ہم حالتِ ظلم و جور میں دار پر بھی کہہ چکے ہیں۔

اب ہماری لائن سن لیجیے اس کے بعد اعتراض جو کرنا ہو وہ ان رہبروں سے پوچھیے کہ آپ نے ان کو ایسا کیوں بتایا؟ ہماری لائن سن لیجیے کیا ہے؟

رسولؐ ہم کو قرآن و اہل بیتؑ کے حوالے کر گئے تھے۔ قرآن تو یہی قرآن ہے جو ہماری مسجد میں رکھا ہوا ہے، یہ الحمدللہ عالمِ اسلام میں ایک ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے، قرآن تو یہی قرآن ہے۔ اب اہل بیتؑ میں ہم نے کس کا ساتھ دیا؟ ہم نے علی الاعلان رسولؐ کے بعد علیؑ کو مانا، علیؑ کے بعد حسنؑ کو مانا، حسنؑ کے بعد حسینؑ کو مانا، حسینؑ کے بعد زین العابدینؑ کو مانا، زین العابدینؑ کے بعد محمد باقرؑ کو مانا، محمد باقرؑ کے بعد جعفر صادقؑ کو مانا، جعفر صادقؑ کے بعد موسیٰ کاظمؑ کو مانا، موسیٰ کاظمؑ کے بعد علی رضاؑ کو مانا، علی رضاؑ کے بعد محمد تقیؑ کو مانا، محمد تقیؑ کے بعد علی النقیؑ کو مانا، علی النقیؑ کے بعد حسن عسکریؑ کو مانا، حسن عسکریؑ کے بعد ان کے فرزند ہم نام رسولؐ کو مانا۔

یہ علی الاعلان سر منبر ہمارا ڈکلیریشن ہے کہ ہم نے یہ بارہ مانے، یہ بارہ نسلِ رسولؐ سے ہیں، یہ بارہ آئمہ اہل بیتؑ ہیں، یہ بارہ سیرت و کردار کے معجزے ہیں، یہ بارہ پاک و پاکیزہ ہیں۔ اب ہم سے خفا جو ہے تاریخ وہ اس لیے ہے کہ ہم نے یزید کو نہیں مانا، مروان کو نہیں مانا، ولید کو نہیں مانا، بنی اُمیہ کے بدکرداروں اور بنی عباس کے ظالموں کو نہیں مانا۔

میرے دوستو ـــــــ!

عالمِ اسلام نے آنکھوں پر پٹی باندھ کے جو اہل بیتؑ سے دشمنی کی، کبھی کسی نے سوچا کہ حسینؑ کے سامنے یزید آ گیا اور عالمِ اسلام نے یزید کا ساتھ دیا اور حسینؑ شہید ہوئے اور یہ واقعہ صدر اوّل میں ہوا، رسولؐ کے پچاس برس کے اندر ہوا۔ توجہ کیجیے گا۔ رسولؐ کے پچاس برس کے اندر ہوا کہ حسینؑ کے مقابلے میں بہتر کو چھوڑ کے، سب نے یزید کا ساتھ دیا۔ بعد میں محدث بھی اسی میں سے نکلے، مؤرخ بھی اسی میں سے نکلے، مفسر بھی اسی میں سے نکلے۔

ابھی سنیے! ہمارے پاس تھا ایک اتنا بڑا ہیرا، ہیرا سمجھتے ہیں؟ ڈائمنڈ۔

جو کوہ نور ہیرے سے بہت بڑا تھا اور ساری دنیا کے جیولر اس کی قیمت لگانے میں ناکام تھے۔ ساری دنیا کے جوہری آتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ ایک دن وہ ہیرا ہمارے پاس سے چلا گیا۔ لوگوں نے پوچھا: آپ کا ڈائمنڈ کیا ہوا؟

ہم نے کہا: وہ ایک آدمی تھا، ایک پتھر لایا تھا، کہنے لگا: یہ لے لیجیے، ہیرا دے دیجیے، تو ہم نے پتھر لے کے ہیرا دے دیا ہے۔

تو عزیزو۔۔۔!

اگر ہم نے یہ کام کیا ہے تو دو باتوں میں سے ایک بات ہے، یا تو ہم پاگل ہوگئے ہیں، دماغ خراب ہوگیا ہے، لہٰذا پتھر لے لیا، ہیرا دے دیا۔ اور اگر ہم پاگل نہیں ہوئے ہیں تو اس ہیرے میں ہمارے بھائی کا بھی حصّہ تھا ففٹی پرسنٹ کا، ہمارے بھائی کا بھی ہیرے میں حصّہ تھا، اس لیے کہ وہ ہمارے باپ سے ملا تھا ہمیں۔ ہم نے پورے ہیرے کو ہضم کرنا چاہا تو پاگل بن کے ہم نے ہیرا غائب کر دیا، پتھر رکھ دیا تاکہ بھائی کو کچھ نہ ملے، سب ہم ہی کو مل جائے۔ تو اگر واقعاً دے دیا ہے تو ہم پاگل ہیں اور اگر غائب کر دیا ہے ہیرا تو ہم چور ہیں۔ اگر پاگل ہیں تب بھی ہم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اگر چور ہیں جب بھی ہم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اُمت جو حسینؑ کو دے کے یزید کو لے وہ پاگل ہے یا چور ہے۔۔۔۔ (صلوٰۃ)

اب سمجھے آپ! ہم نے اہلِ بیتؑ کا دامن کیوں نہیں چھوڑا؟ اس لیے کہ کچھ ہوجائے، گردن کٹ جائے، ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے جو حسینؑ کو چھوڑ دے اور یزید کو لے، فاطمہؑ کے بیٹے کو چھوڑ کے ہندہ کے لال کو قبول کرنے والے، محمدؐ کے نواسوں کو چھوڑ کے، ابوسفیان کے پوتوں کو سر پر بٹھانے والے، دولت کے بھوکوں کے لیے قابلِ اعتبار ہوں گے، ایمان داروں کے لیے قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتے۔ (صلوٰۃ)

یہی وجہ ہے کہ جب ہر سال محرم آتا ہے تو ہم یادِ حسینؑ مناتے ہیں، اس لیے کہ عالمِ اسلام کا یہ تضاد بھی عجب ہے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تم اس یزید کو امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین کہہ رہے تھے اور اس کا ساتھ دے کے حسینؑ سے لڑ رہے تھے اور جب آہستہ آہستہ مظلومیت نے اپنا رنگ جمایا تو اب عالمِ اسلام کہتا ہے: ہم یزید کو نہیں مانتے۔ تو بھیا! اکیلے یزید کو ماننے کی نہیں ہوتی، اور یہ تو سلسلہ ہے، نہ یزید اکیلا ہے، نہ حسینؑ اکیلے ہیں۔ حسینؑ بھی کسی سلسلے کی کڑی ہیں، یزید بھی کسی سلسلے کی کڑی ہے۔

توجہ چاہتا ہوں عزیزانِ گرامی!

یہ بھی ایک سلسلے کی کڑی ہیں، وہ بھی ایک سلسلے کی کڑی ہے، لہٰذا سلسلہ مانا جائے گا، اکیلا نہیں مانا جائے گا۔ اور یہی وجہ ہے میرے دوستو! کہ حسینؑ کے ساتھ ایک عجیب چیز یہ ہے کہ حسینؑ کے نام کے ساتھ وابستہ ہے محرم، اور یہ عزاداری جو ہے یہ حسینؑ کا تحفہ ہے اسلام کو۔ یہ عزاداری کیا ہے، یہ محرم کیا ہے؟ یہ ریفریشر کورس ہے، جیسے یونیورسٹیوں میں، کالجوں میں سال دو برس کے بعد ریفریشر کورس ہوتا ہے، تا کہ جو پڑھا ہے وہ بھول نہ جائے۔ ویسے ہر سال محرم کے دس دنوں میں یہ ریفریشر کورس ہوتا ہے تا کہ جو پڑھا ہے وہ بھول نہ جائیں۔

عزیزو ——— !

ایک گھر بنائیے، ان شاء اللہ مسجد دیکھیے کتنی عمدہ بن رہی ہے اور یہ آپ کے کوآپریشن سے بن رہی ہے۔ اس کے لیے کوآپریشن کی میں اپیل کر چکا ہوں، اب اس وقت اپیل نہیں کرنا ہے لیکن ایک عمارت بہت عمدہ بنائیے اور بنا کے چھوڑ دیجیے اور سو برس تک ہاتھ نہ لگائیے پرانی ہو جائے گی، خراب ہو جائے گی۔ لیکن اگر ہر سال اس کی مرمت کرتے رہیے تو پانچ سو برس کے بعد بھی بالکل نئی رہے گی۔

حسینؑ نے چاہا کہ اسلام کا محل پرانا نہ ہو، لہٰذا ہر سال بنامِ حسینؑ مرمت ہوتی ہے۔ ہر سال بنامِ حسینؑ، یہ عزاداری نہیں ہے، یہ اسلام کو زندہ کرنے کی ترکیب ہے۔ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہاں لکھا ہے؟ اے ہے آپ کو لکھے کی بڑی پکڑ ہے۔ یہ علم کہاں لکھا ہے؟ یہ تعزیہ کہاں لکھا ہے؟ یہ ماتم کہاں لکھا ہے؟

ارے آپ تو لکھے کے بڑے پابند معلوم ہوتے ہیں، رسول کو لکھنے نہ دیا، ہم سے لکھوا رہے ہیں ـــــ (صلواۃ)

دیکھئے بھائی ـــــ!

واقعہ تو وہی کربلا کا ہے، نیا تو آئے گا نہیں اور پڑھتے ہوئے ہمیں ہو گئے برسوں۔ یہی ہو سکتا ہے کہ بیان کا اسٹائل بدلیں، واقعہ تو بدل نہیں سکتے۔ قرآن میں لکھا دکھلایئے گا؟ لوگ آتے ہیں آستینیں اُلٹتے ہوئے، جناب! محرم قرآن میں کہاں لکھا ہے؟ جیسے جتنا لکھا ہے اس پر تو ان کا عمل ہے۔ تو مدتوں ہم نے اسی منبر سے جواب دیے اس کے۔ اب دو تین برس سے ہم نے جواب کا اسٹائل بدل دیا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں لکھا ہے، علم بھی لکھا ہے، تعزیہ بھی لکھا ہے، سبیل بھی لکھی ہے، سبیل کا شربت بھی لکھا ہے اور کھچڑا بھی لکھا ہے۔ سب لکھا ہے، سب لکھا ہے قرآن میں۔ انھوں نے کہا: کہاں لکھا ہے؟ جب کہہ دیا لکھا ہے تو بتائیں گے کیوں نہیں، اتنے بڑے مجمع کے سامنے کیا کہہ کے چلے جائیں گے، بالکل بتائیں گے۔

سنیے صاحب ـــــ!

قرآن کا لکھا ہر ایک کو بھائی نہیں دیتا ہے۔ مثال مجھ سے سن لیجیے۔ انھوں نے کہا: اطہر صاحب کیسے ہیں؟ کہنے لگے ایسے ہیں اور سانولی رنگت کے ہیں اور یہاں پر ان کے ایک مسّہ ہے اور سفید داڑھی ہے مگر سر کے بال ابھی کالے ہیں اور ایسے ہیں اور ویسے ہیں۔ ویسے ہیں تو بتا دیا۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو دکھائی دیتی ہیں،

آنکھیں کیسی ہیں، داڑھی کا رنگ کیسا ہے، سر کے بال کیسے ہیں؟ ناک کیسی ہے، کان کیسے ہیں؟ یہاں پر ایک مسّہ ہے، یہ سب دکھائی دیتا ہے نا۔ یہ سب آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

اب مجلس کے بعد ہم یہاں چائے پینے بیٹھے تو انھوں نے کہا: یہ اطہر صاحب آپ کی چائے ہے، تو انھوں نے پوچھا: یہ اطہر صاحب آپ کی چائے الگ سے کیسی آتی ہے؟ میں نے کہا: اس میں شوگر نہیں ہوتی۔ شکر کے بغیر آتی ہے، کیوں؟ میں نے کہا: مجھے ڈائبٹیس ہے۔ کہنے لگے: اچھا شکر ہے آپ کو! دکھایئے ذرا کہاں ہے شکر؟ ہم بھی دیکھیں کیسی شکر ہے؟ بڑے دانے کی ہے، چھوٹے دانے کی ہے، اُجلی ہے، میلی ہے، دیکھیں کیسی شکر ہے؟ کھانا کھانے بیٹھے، انھوں نے کہا: یہ آپ کے لیے ہے۔ کہا: یہ آپ کے لیے کیا الگ، کہا: ہاں بھئی! اس میں چکنائی نہیں پڑتی ہے۔ کیوں؟ کہا: بلڈ فرشال بڑھا ہوا ہے۔ کہا: دیکھیں آپ کے خون میں کیسا گھی ہے؟ اصلی ہے، ڈالڈا ہے، کیسا گھی ہے؟

تو عزیزانِ گرامی ـــــ!

آنکھیں، کان، ناک، یہ دکھائی دے گیا لیکن خون میں شوگر ہے یا خون میں فرشال ہے، یہ پتھالوجسٹ کی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ ہر آدمی نہیں دیکھ سکتا ہے، موجود ہے۔ جب ایک ڈراپ بلڈ کا لے کے ٹیسٹ ہوا تو وہاں کے پتھالوجی سے رپورٹ آئی لکھ کے، ہے موجود مگر پورا مجمع کو نہیں دکھائی دے گا، پتھالوجسٹ دیکھے گا۔ ویسے قرآن میں سب ہے مگر معصوم دیکھے گا ہر ایک نہیں دیکھے گا۔

توجہ چاہتا ہوں ـــــ!

قرآن میں سب ہے، انھوں نے کہا: کہاں ہے، دکھایئے قرآن میں۔ کہا: لایئے قرآن ابھی دکھاتا ہوں۔ لے آئے قرآن۔ میں نے کہا: کھولیے وہ سا سورہ

نکالے جس میں لکھا ہے مغرب کی نماز تین رکعت ہے، عشاء کی چار رکعت ہے، صبح کی دو رکعت ہے، اور بیڑی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور لباس احرام دو کپڑوں میں بنتا ہے، ایک باندھا جاتا ہے، ایک اوڑھا جاتا ہے۔ تو جہاں پہ یہ لکھا ہے اسی کے آگے یہ لکھا ہے کہ مجلس، ماتم، علم، تعزیہ، بس اسی سورہ میں آگے بڑھ کے ہے، وہی پڑھتے جایئے۔ سب لکھا ہے۔

انھوں نے کہا: صاحب، قرآن میں ایسا سورہ تو کوئی نہیں ہے کہ جس میں لکھا ہو کہ مغرب کی تین اور عشاء کی چار۔ تو مسجد میں کیوں جھگڑا نہیں کرتے کہ کہاں لکھا ہے۔ کہا: صاحب، یہ غلط بات ہے۔ اس پر تو عملِ رسولؐ ہے۔ اچھا تو نماز کے لیے عملِ رسولؐ سمجھ میں آیا اور اسی نماز میں جو پشت رسولؐ پر بیٹھا ہے، وہ نہیں دکھائی دیتا ـــــ (صلواۃ)

یہ عزاداری؟...... قرآن ہم کو بنیادی مسئلہ سمجھاتا ہے، اس کے بعد تفصیل؟ حدیثوں سے، عمل سے، اہلِ بیتؑ رسولؐ سے معلوم ہوتی ہے۔ قرآن میں اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃ آرڈر موجود ہے نماز کا۔ اب صبح کی کتنی رکعت ہوگی، ظہر کی کتنی رکعت ہوگی، مغرب کی کتنی رکعت ہوگی، عشاء کی کتنی رکعت ہوگی، حدیث بتائے گی۔ جمعہ کی نماز کیسے ہوگی، عیدین کی کیسے ہوگی، آیات کی نماز کیسے ہوگی، میت کی نماز کیسے ہوگی، یہ ساری ڈیٹیل قرآن میں نہیں ہے، الگ سے معلوم ہوگی۔ تو معلوم ہوا قرآن میں بنیادی مسئلہ جو ہے وہ لکھا ہے، اب اس کے بعد ڈیٹیل جو ہے وہ آپ کو رسولؐ سے معلوم کرنا پڑے گی۔

قرآن میں لکھا ہے: وَلِلّٰہِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ اللہ کی طرف سے انسان پر حج بیت اللہ فرض ہے۔ جس کے پاس استطاعت ہو، جو حیثیت دار ہو۔ اب کب جایئے، کہاں سے احرام باندھیے، پہلے کیا کیجیے، عمرہ ہے اس کے بعد حج ہے،

پھر عرفات کس دن جائیے، منیٰ میں کتنا ٹھہریے، مشعر میں کیسے رُکیے، طواف میں کعبہ کے کتنے چکر لگائیے، صفا و مروہ میں کتنی دفعہ آئیے جائیے، یہ ساری باتیں حدیثوں سے معلوم ہوں گی ویسے ہی جو ہم سے لوگ پوچھتے ہیں، محرم کہاں ہے؟ ایسے کھرے قرآن کے، خدا کی قسم! محرم کہاں ہے؟ آئیے ہم بتاتے ہیں آپ کو کہاں نے قرآن میں لکھا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

اہلِ بیتؑ کا یہ ذکر بنیادی قرآن میں ہے۔ ''کہہ دیجیے کہ میں کچھ نہیں چاہتا صرف اہلِ بیتؑ کی محبت چاہتا ہوں''۔

محبت کا آرڈر مل گیا نا، اب جس سے جس کو محبت ہوتی ہے اس کی خوشی میں خوش ہوتا ہے، اس کے غم میں رنجیدہ ہوتا ہے۔ اب ہم سے یہ پوچھئے کہ روتے کیوں ہو؟ یہ رونا محبت کی دین ہے، جس سے جس کو محبت ہوتی ہے اس کے مرجانے پر روتا ہے۔ یہ سیدھی سی بات ہے۔ آنسو بہانا کیا ہے؟ آنسو شفیع محبت ہے، آنسو کیا ہے؟ سنیے کیا ہے؟ میں بتاتا ہوں آنسو کیا ہے؟ پسینہ کیا ہے؟ پسینہ کوئی شے نہیں ہے، جب گرمی ہوگی تو پسینہ نکلے گا اور جب سردی ہوگی تو پسینہ نہیں نکلے گا۔

تو معلوم ہوا پسینہ کوئی شے نہیں ہے، اصل چیز ہے ٹمپریچر۔ جب زیادہ ہوگا تو پسینہ آئے گا، جب نہیں ہوگا تو پسینہ نہیں آئے گا۔ آنسو کوئی شے نہیں ہے، اصل چیز ہے محبت۔ جب ہوگی تو آنسو نکلے گا، جب نہیں ہوگی تو نہیں نکلے گا۔

آپ غور فرمارہے ہیں؟ اب ہمارے رونے پر لوگ کہہ رہے ہیں، انھیں تو بی بی کی بددعا لگی ہے اس لیے روتے ہیں۔ اچھا! بی بی کی بددعا سے رو رہے ہیں ہم۔ تب تو روئیں گے، اس لیے کہ اتنی بڑی بی بی جسے بددعا دے دے تو وہ روئے گا۔ اب جو آپ منع کر رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ بی بیؑ کے خلاف ہیں۔

(صلوات)

ایک ایک بات ــــ! انھوں نے کہا: صاحب، واجب تو نہیں ہے۔ ہاں واجب نہیں ہے تو کیا ہوا؟ واجب کی بڑی فکر ہے آپ کو، پہلے تو عیت تو سمجھئے کیا ہے؟ محرم کیا ہے اور حج کیا ہے؟ حج ہے ایک نبی زادے کے بچنے کا واقعہ، اور محرم ہے ایک نبی زادے کی شہادت کا واقعہ۔ جس دن وہاں حج ہوتا ہے اس دن یہاں عید ہوتی ہے، عید کا دن مانا جاتا ہے اور مہینہ بھر کے ٹھیک بعد اسی دن عشرہ آتا ہے۔ پورے ٹھیک ایک مہینے کے بعد عشرہ آتا ہے۔

انھوں نے کہا: وہ واجب ہے، یہ واجب نہیں۔ اماں سامنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آؤ میں دو منٹ میں سمجھا دوں کہ واجب کیوں نہیں ہے۔ دیکھیے: ہمیشہ شادی میں بلاوا جاتا ہے، کارڈ جاتا ہے نام کے ساتھ، مسٹر فلاں۔ اور اگر ود فیملی نہیں لکھا ہے تو آپ اکیلے جائیں گے لڑکوں کو نہیں لے جائیں گے۔

کہیں گے بھئی بچوں کو تو بلایا نہیں خالی ہمارا نام ہے، تو ہم جائیں گے اور ود فیملی انھوں نے لکھا نہیں ہے تو فیملی کا کوئی نہیں جائے گا۔ اب اگر وہاں گئے، انھوں نے کہا: ارے لڑکوں کو نہیں لائے، انھوں نے کہا: آپ نے بلایا بھی نہیں تھا۔ شادی میں ہمیشہ بلاوا آتا ہے لیکن اگر کسی کا لڑکا مر جائے تو بلاوا نہیں آتا، اطلاع آتی ہے۔ انفارمیشن اور ہے، انویٹیشن (invitation) اور ہے۔ بلاوا اور ہے، اطلاع اور ہے۔ حج ہے خوشی کا موقع اس میں بلاوا جاتا ہے۔ محرم ہے غم کا موقع چاند نکل کے اطلاع دیتا ہے جس سے محمدؐ کا رشتہ ہے وہ آئے گا جس سے نہیں ہے وہ نہیں آئے گا۔

میرے دوستو ــــ!

یہ محرم، یہ عزاداری، یہ ذکرِ حسینؑ! یہ ماتم اپنے پیچھے ایک ہسٹری رکھتے ہیں۔

وہ لوگ جو اس کے لیے پوچھتے ہیں اور وہ لوگ جو قوم کے مصلح بن کے اس کی اصلاح کی آوازیں اُٹھاتے ہیں، وہ بھی ذرا غور کریں۔ عزاداری بقائے اسلام ہے اور اس وقت اس کو دو دشمن تاکے ہوئے ہیں۔ ایک تو وہ ہمارے پرانے روایتی دشمن، جن سے ساڑھے تیرہ سو برس سے جھگڑا ہے اور اب ادھر تھوڑے سے نئے دشمن پیدا ہوئے ہیں ''سوپر پاورز''۔ انقلاب اسلامی کے ایران میں کامیاب ہونے کے بعد جب آیت اللہ العظمیٰ خمینی نے یہ فرمایا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ محرم کی وجہ سے ہے۔ ''سپر پاور'' بھی متوجہ ہوگئے کہ محرم میں ڈسٹرب کرو، اس لیے کہ محرم وہ طاقت ہے جس سے سپر پاور بھی زک اُٹھا چکے۔ میں کہوں گا ان شاء اللہ، سپر پاورز کا پانی بھی محرم ہی اُتارے گا، اس لیے کہ یزید بھی اپنے زمانے کی سپر پاور تھا۔

اور عزیزانِ گرامی ــــــ!

یہ سپر پاور؟ ان کی اصلیت سنیں گے آپ، ان میں کتنا پاور ہے معلوم ہے آپ کو؟ جو میری عمر کے لوگ ہیں اور اس مجمع میں بہت سے لوگ ہیں، ان کو سکنڈ war (جنگ) یاد ہوگی۔ دوسری جنگِ عظیم جس میں جرمنی اور جاپان ہار گئے تھے، برطانیہ اور اس کے اتحادی یعنی امریکہ جیت گئے تھے۔ کتنے برس ہوئے آپ؟ پچاس برس ہوئے ہیں اس کو ابھی، بہت دن نہیں ہوئے۔ جرمنی دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا اور جاپان کا بادشاہ ہاتھ باندھ کے آیا تھا امریکی جنرل کے سامنے۔ یہ اخباروں میں دیکھ لیجیے۔ تاریخ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس زمانے کے اخبار اُٹھا کے دیکھیے۔ لیکن پچاس برس کے اندر جرمنی اور جاپان دونوں بھول گئے کہ وہ ہارے تھے۔ آج جاپان کی کاریں اور الیکٹرانک آئٹم امریکہ میں بھرے پڑے ہیں اور جرمنی طاقت و ترقی کی دوڑ میں برطانیہ کے ساتھ چل رہا ہے۔

معلوم ہوا کہ پچاس برس پہلے جو گرے تھے، پچاس برس کے اندر گرد جھاڑ کر

دوڑ میں برابر آ گئے۔ یہ ہے سپر پاورز کی بات۔ کیا کہنا میرے مولا حسینؑ! تیرے سامنے جو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے گرا تھا ابھی تک خاک سے اُٹھ نہیں پایا۔

تو عزیزو!

اس بات کا خیال رہے کہ ہمیں اپنی عزاداری کی حفاظت کرنا ہے، سپر پاورز سے بھی، دشمنوں سے بھی اور دوست نما دشمنوں سے بھی، جو علیؑ کے فضائل، ذکرِ حسینؑ، مرحبۂ اہلِ بیتؑ کے بیان ہوتے وقت یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارا سنا ہوا ہے کچھ کام کی باتیں سنائیے۔

وہ اطہر صاحب تو واہ واہ کے لیے پڑھ کے چلے جائیں گے۔ واہ واہ کے لیے ہم نہیں پڑھتے ہیں، واہ واہ مجمع کرتا ہے، ہم نے کب آپ سے کہا ہے کہ ہماری واہ واہ کیجیے گا۔ کوئی ایک سے کہا ہو زندگی میں کہ ہم پڑھنے جا رہے ہیں ذرا واہ واہ کیجیے گا تو وہ ہاتھ اُٹھا دے۔ ہم نہیں واہ واہ کے لیے کہتے، واہ واہ کرتے ہیں آپ، اور ہماری شکل دیکھ کے واہ واہ نہیں کرتے علیؑ کے فضائل سن کے واہ واہ کرتے ہیں۔ تو اصل واہ واہ ہماری نہیں ہے محبت علیؑ کی ہے، تو اب بگڑیے تو محبت علیؑ پر بگڑیے ہم پر کیوں بگڑ رہے ہیں۔

عزیزو!

ہم کیسے مان لیں اس یزید کو جس نے رسولؐ کے نواسے کا گھر اُجاڑا۔

اور عزیز و اللہ ری محبت یزید کہ محتاط مسلمان پوری چارج شیٹ بیان ہی نہیں کرتے۔ ارے پوری چارج شیٹ تو داخل کیجیے۔ یزید تین برس بادشاہ رہا، تین برس میں اس کے تین کارنامے ہیں: اپنی بادشاہت کے پہلے سال میں اس نے حسینؑ کو شہید کیا، اپنی بادشاہت کے دوسرے سال میں اس نے مدینہ منورہ پر حملہ کر کے مدینے کو برباد کیا اور مسجد النبیؐ میں گھوڑے بندھوائے اور تین دن مدینہ فوج کے

حوالے رہا۔ تین دن مدینہ فوج کے حوالے رہا۔

اب اس جملے کے اندر بڑی بلاغت ہے، میں وضاحت نہیں کروں گا۔ اگر آپ کو ڈیٹیل دیکھنا ہے تو تاریخ خلفاء دیکھ لیجیے۔ اس میں لکھا ہے: تین دن مدینہ فوج کے حوالے رہا اور سال کے اندر ایسے بہت سے لوگ پیدا ہوئے جن کی ولدیت نامعلوم تھی اور تیسرے سال میں اپنی حکومت کے اس نے خانۂ کعبہ پر حملہ کیا، کعبہ پر آگ کا مینہ برسایا، رکن یمانی کو شہید کیا، کعبے کا پردہ جلا۔

اور عزیزو ــــــ!

اس کے بعد بھی صاحب تاریخ الخلفاء نے رسولؐ کے بارہ خلفاء میں یزید کا نام لکھا ہے۔ مجلس ختم ہو رہی ہے، ان شاء اللہ زندگی رہی تو آیندہ سال ملاقات ہوگی۔ لیکن ایک بات سن لیجیے، پروسس پورا سامنے آ گیا۔ پہلے حسینؑ شہید ہوئے، اس کے بعد مسجد النبیؐ تاراج ہوئی، اس کے بعد خانۂ کعبہ پر حملہ ہوا۔ اس سے رابطہ سمجھئے، پہلے حسینؑ پر حملہ، پھر نبیؐ پر حملہ، پھر اللہ پر حملہ۔

کیا کہنا میرے مولا حسینؑ! عزاداری کا ایک بند باندھ دیا کہ آج تک یزیدیت سر پٹک رہی ہے مگر اسلام کو تباہ نہیں کر پاتی۔ یہ ہے رسول کا نواسہؑ جس کی یاد میں ہم محرم مناتے ہیں، جس کی یاد میں سبیلیں رکھی جاتی ہیں۔

عزیزو ــــــ!

آج میں ساری دنیا کو نہیں کہتا، ہندوستان کے اندر اگر یک جہتی کا پیغام دینا ہے، محبت کا پیغام دینا ہے، پیار کا پیغام دینا ہے، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ مل جل کے رہنا ہے، تو کربلا کو ہائی لائٹ کیجیے۔ فاتحینِ عالم سے متاثر نہیں ہوگی دنیا، بڑے بڑے لشکروں کی تعریف سے دل نہیں بہلیں گے، سلطانوں کے تذکرے قلب کو متاثر نہیں کریں گے، مگر حسینؑ کی مظلومی آپ کے پڑوسی کو متاثر کرے گی۔ اگر ہو سکے تو

سنائیے حسینؑ کا قصہ ان لوگوں کو کہ حسینؑ کون تھے؟ جنھوں نے سچائی اور انصاف کے لیے اپنی جان دی ہے۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

میں چلتے چلتے پھر ایک مرتبہ بمبئی ایڈمنسٹریشن کا شکریہ ادا کروں گا کہ وہ ہمارے محرم میں بہت کچھ کو آپریشن دیتے ہیں اور بہت ہماری مدد کرتے ہیں اور یہ بھی بڑے شکوے کی بات ہے کہ عزاداری کے جلوسوں کو پروٹیکشن برادرانِ وطن سے نہیں بلکہ برادرانِ اسلام سے......

بہر حال اگر صحیح معنوں میں جذبہ تبلیغ ہے تو ماتم کے ذریعہ تبلیغ ہوگی، عزاداری کے ذریعہ تبلیغ ہوگی۔ یہ سینہ پیٹتی ہوئی قوم، یہ خون میں نہائے ہوئے نوجوان، یہ عباسؑ کا علم ہاتھوں میں لیے ہوئے ماتم دار، یہ چھوٹے چھوٹے بچے، یہ بیبیاں، دنیا کیا اس تحریک کو روکے گی، دنیا کیا اس کے مقابلے میں آئے گی۔ یہ وہ سمندر ہے کہ جو سامنے آئے گا اس کو نگل جائے گا۔ یہ بچے اپنی ماؤں کی گودیوں میں حسینی بن جاتے ہیں اور دنیا کا کوئی نیا کلر ان کے اُوپر نہیں چڑھتا۔

ذکرِ مصائب!

عزیزو ــــــ!

آج شبِ عاشور آئی ہے، ہم حسینؑ کو رخصت کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، ہم حسینؑ پر رونے کے لیے جمع ہوئے ہیں، ہم حسینؑ کے سوگوار ہیں، ہم رسولؐ اللہ کو ان کے نواسے کا پُرسہ دینے آئے ہیں، اللہ کے حبیب اپنے بھرے گھر کا پُرسہ لیجیے۔ یارسولؐ اللہ! یہ غلام، یہ آپ کے چاہنے والے، یہ خون میں نہائے ہوئے نوجوان، یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو گود میں لیے ہوئے عورتیں، جو دُور دُور سے آئی

ہیں، یہ ان بیبیوں کو پُرسہ دینے آئی ہیں، کربلا میں جن کی گودیاں خالی ہو گئیں۔

اللہ آپ کے جوانوں کو سلامت رکھے، اللہ آپ کے بچوں کو پروان چڑھائے۔

میری ماؤ! بہنو!، میری بیٹیو!، اللہ آپ کی گودیوں کو آباد رکھے۔ آپ کے سہاگ کو قائم رکھے۔ کربلا میں لیلیٰ کا سہاگ بھی اُجڑ گیا، گودی بھی خالی ہو گئی۔ آج ہم حسینؑ پر رونے کے لیے جمع ہوئے ہیں، سوگواری کے لیے آئے ہیں۔ شب عاشور آ گئی۔ حسینؑ کے رخصت کی رات، بی بی لیلیٰ کل علی اکبرؑ نظر نہ آئیں گے، بی بی اُم فروہؑ سے کل قاسمؑ بچھڑ جائیں گے، بی بی ربابؑ! آج آپ علی اصغرؑ کو جی بھر کے پیار کر لیجیے، کل علی اصغرؑ آغوشِ لحد میں ہوں گے، آپ کی گودی خالی ہو گی۔ اور اے شہزادی سکینہؑ! حسینؑ کے سینے پر آج کی رات سو لیجیے، کل باپ کا سینہ نہ ملے گا۔

عزیزو۔۔۔۔۔!

ابھی کل کی بات ہے کہ محرم آیا تھا، محرم رخصت ہو رہا ہے، یا حسینؑ الوداع! اے حسینؑ! خدا حافظ! اے سرکار شہادت خدا حافظ، اے قومِ جفا پیشہ کے مہمان، اگر کربلا میں آپ کو پانی نہ دیا گیا تو چاہنے والوں نے سبیلیں لگائی ہیں، اے قومِ جفا پیشہ کے مہمان خدا حافظ، سبیلیں اس لیے لگائی ہیں کہ حسینؑ پیاسے چلے گئے، لہٰذا اب اے پیاسے! ہم تیرے نام پر ہر ایک کو پانی پلاتے ہیں۔ نیاز اس لیے تقسیم ہوتی ہے کہ حسینؑ بھوکے چلے گئے، لہٰذا اے تین دن کے بھوکے ہم تیرے نام پر کھانا کھلاتے ہیں۔ علم اس لیے اٹھایا جاتا ہے کہ کربلا میں حسینؑ کے لشکر کا علم گرایا گیا، لہٰذا آج حسینؑ کے لشکر کا علم اٹھایا جاتا ہے، ماتم اس لیے ہوتا ہے کہ حسینؑ کی بہن ماتم نہ کر سکی، حسینؑ کی بیٹی ماتم نہ کر سکی۔

سوگوارانِ حسینؑ۔۔۔۔۔!

یہ عزاداری، یہ ماتم، یہ مجلس، اپنے پیچھے ایک تاریخ رکھتی ہے، اپنے پیچھے ایک

ہسٹری رکھتی ہے۔ اعتراض کرنے سے پہلے کسی سے پوچھ لیجیے کہ یہ ہسٹری کیا ہے، اور یہ تاریخ کیا ہے؟

دوستو! شبِ عاشور آئی ہے اور جب عاشور کی رات گزری تو عاشورے کا دن آیا اور جب دن آیا تو حسینؑ کی قربانیاں اللہ کی راہ میں شروع ہوئیں۔ پہلے دوست قربان ہوئے، دوستوں کے بعد عزیزوں کی باری آئی۔ سب سے پہلے اولادِ عقیلؑ نے قربانی دی، اولادِ عقیلؑ کے بعد اولادِ جعفر قربان ہوئی، اولادِ جعفرؑ کے بعد امام زادے قربان ہونے لگے۔ کبھی علیؑ کا بیٹا جاتا تھا مقتل میں، کبھی حسنؑ کا بیٹا جاتا تھا مقتل میں، یہاں تک کہ وہ منزل آئی کہ قاسمؑ رخصت ہوئے، قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے آئے تو عباسؑ گئے۔ حسینؑ دریا پر عباسؑ کو روتے آئے تو علی اکبرؑ کو اجازت دی، علی اکبر کا لاشہ مقتل سے آیا تو علی اصغرؑ گئے اور جب علی اصغرؑ کی لاش بھی دفنا دی گئی تو حسینؑ آہستہ آہستہ درِ خیمہ کی طرف بڑھے۔

خدا کی قسم! میرے مولا کی عجب شان تھی۔ جب خیمہ کے دروازے تک آئے تو حسینؑ سر سے پاؤں تک خون میں نہائے تھے۔ چہرے پر علی اصغرؑ کا خون، کپڑوں پر عباسؑ و علی اکبرؑ کا خون، ہاتھوں میں تربتِ علی اصغرؑ کی خاک، اس شان سے آن کے درِ خیمہ پر آواز دی:

زینبؑ و اُم کلثومؑ، سکینہؑ و رقیہؑ! تم سب پر میرا اسلام۔

خیمے سے رونے کا شور اُٹھا، امام عالی مقام خیمہ میں آئے۔ بہن بھائی کو لیے ہوئے سید سجادؑ کے پاس آئیں۔ بیٹے کے پاس بیٹھے، کچھ دیر باتیں کرتے رہے، جب چلنے لگے تو کہا: بیٹا جب قید سے چھوٹ کے جانا، میرے دوستوں کو میرا اسلام کہنا، اور کہنا جب پانی پینا تو میری پیاس یاد کر لینا۔

عزیزو۔۔۔۔!

کیا حسینؑ کے سلام کا جواب نہ دیجیے گا، کہیے: اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَا اَبَا عَبدِاللّٰہِ۔ "اے حسینؑ! ہمارا سلام قبول کیجیے"۔

جب بیٹے سے رخصت ہو کے آگے بڑھے تو بہن سے کہا: بہن! مجھے پرانا لباس لا دو۔ چاہنے والی بہن بھائی کا کفن لے کے آئی، حسینؑ نے پرانا لباس زیب تن کیا، اب در خیمہ کی طرف چلے تو بہن نے کہا:

بھیا! آپ جا رہے ہیں، میں روکتی نہیں مگر سیدانیوں کی ایک آرزو پوری کرتے جائیے۔

کہا: بہن! تمنا کیا ہے سیدانیوں کی؟

کہا: ایک دفعہ آپ کو رخصت کرلیں۔

کہا: بہن کیونکر رخصت کریں گی؟

کہا: ایک حلقہ بنالیں گی اس سے آپ نکل جائیے، بس آپ کو دل بھر کے دیکھ لیں۔

سیدانیوں نے حلقہ بنایا، حسینؑ حلقے میں آئے۔ تاریخ میں تو بس اتنا ہی لکھا ہے کہ ایک ایک کے چہرے پر نظر کی۔ مگر میرا دل کہتا ہے کہ جب نظر پڑی ہوگی تو یہ لیلیٰ ہیں جس کا اٹھارہ برس والا مارا گیا، یہ اُم فروہؑ ہیں جس کا یتیم قتل ہوگیا، یہ اُم کلثومؑ ہے جس کا بھائی دریا سے پلٹ کے نہ آیا، یہ ربابؑ ہے جس کی گودی اُجڑ گئی۔

نظر گھومی ہوگی، یہ دامن سے لپٹی ننھی سکینہؑ ہے، کبھی عباسؑ کی گود میں رہی، کبھی علی اکبرؑ کی گود میں رہی، کبھی میرے سینے پر سوئی۔ اب اس پر مصیبتوں کے دروازے کھلنے والے ہیں۔ کبھی خولی کے طمانچے، کبھی شمر کے تازیانے، کبھی چچا کو پکارا، کبھی بابا کو آواز دی۔ اس کے بعد نظر احترام سے اُٹھی ہوگی، یہ میری ماں کی جانشین زینبؑ کبریٰ ہے۔ فاطمہؑ کے بعد فاطمہ، رسولؐ اللہ کی نواسی۔ ذرا دیر میں اس

کے سر پر بھی چادر نہیں ہوگی۔

تاریخ میں ہے کہ ایک ایک کے چہرے پر نظر کی۔

فرمایا: دیکھو میرے غم میں صبر کرنا، اور اس کے بعد عمامہ ہاتھوں پر لیا، ہاتھ اُٹھائے اے خدا! انھیں میرے غم میں صبر دے دے، بس اتنا کہنا تھا کہ حلقہ ٹوٹا، حسینؑ آگے بڑھے، میر انیس نے کہا ہے:

بکھرائے بال اہلِ حرم ساتھ ساتھ تھے

پٹکے میں شاہِ دیں کے سکینہؑ کے ہاتھ تھے

مگر تاریخ میں جو لکھا ہے اس سے میرا کلیجہ ٹکڑے ہوتا ہے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حسینؑ خیمہ سے درِ خیمہ تک آئے ہیں تو کربلا میں حسینؑ کی سات بہنیں تھیں، دو تو سگی بہنیں تھیں۔ معصومہ کی بیٹیاں، پانچ اور تھیں علیؑ کی بیٹیاں۔ حسینؑ نے یہاں سے وہاں تک جو فاصلہ طے کیا ہے وہ اس طرح کہ ساتوں بہنیں بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے وامحمداہ واعلیاہ واحسیناہ...... درِ خیمہ پر آئے، خیمے کا پردہ اُٹھا، سیّدانیاں خیمہ میں رہ گئیں۔ ایک سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی بی بی نکلی باہر۔ یہ زینبِ کبریٰ تھیں اور ایک چھوٹی سی بچی نکلی۔

بچی نے کہا: بابا! جا رہے ہیں؟

حسینؑ نے بچی کو گود میں اٹھایا، بچی نے عجب جملہ کہا۔

بچی باپ سے کہنے لگی: بابا! آپ جا رہے ہیں تو مجھے نانا کے روضے پر پہنچا دیجیے۔

حسینؑ نے کہا: اگر ایسا ممکن ہوتا تو کر دیتا۔

میں کہوں گا شہزادی سکینہؑ! آپ مدینے کہاں جایئے گا، آپ کو تو ظلمِ یزید پر مہر بن کے شام میں سونا ہے۔ حسینؑ نے ننھی بچی کو اُٹھایا اور اُٹھا کے پیار کیا، یہ سکینہؑ

کو آخری پیار ملا، اس کے بعد مرتے دم تک طمانچے ہی کھائے۔ زینبؑ کبریٰ آگے بڑھیں، رکاب تھامی، یہ کام زینبؑ نے پہلی دفعہ کیا تھا، یہ کام عباسؑ کا تھا، اب عباسؑ نہیں ہیں تو کیا کیا جائے۔ میرا دل کہتا ہے کہ زینبؑ کو بھی عباسؑ یاد آئے ہوں گے، حسینؑ کو بھی عباسؑ یاد آئے ہوں گے۔

گھوڑے پر بیٹھے، کہا: یہ سوار دوشِ رسولؐ کی آخری سواری ہے۔ رہوار آگے بڑھے، آگے بڑھے، دہنے بائیں دیکھا، سناٹا، کوئی نہیں، گنج شہیداں پر نظر پڑی، لوگ گردنیں کٹائے سو رہے تھے۔ آواز دی: اے میرے شیرو! اے میرے معرکۂ جنگ کے شہسوارو! کائنات تڑپنے لگی، آواز دی:

أَيْنَ أَيْنَ حَبِيب

"حبیب کہاں ہیں؟"

أَيْنَ أَيْنَ مُسْلِم

"مسلم کہاں گئے؟"

أَيْنَ أَيْنَ زُهَير

"اے میرے جانثار، زہیر تم کدھر ہو؟"

ایک دفعہ دوستوں کے بعد شاید عزیز یاد آئے، ایک درد بھری آواز گونجی: اولاد والو! دل تھام کے سننا، اے میرے بیٹے علی اکبرؑ! پھر تھوڑا سا رہوار پر بلند ہو کے دریا کو دیکھا، آواز دی:

أَيْنَ أَيْنَ أَخِي عَبَّاس "ارے میرے قوت بازو عباسؑ! آگے بڑھو"۔

آستین اُلٹی، چہرۂ اقدس چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ سبز رنگ کی قبا پہنے ہوئے تھے، تلوار بے نیام ہاتھ میں تھی، میمنہ پر حملہ کر کے میسرے پر گرایا، میسرے پر حملہ کر کے میمنے پر دے مارا، قلب لشکر پر حملہ کیا تو شور مچ گیا۔ تلوار بے نیام ہاتھ میں

تھی، تلوار چل رہی تھی، کہتے جاتے تھے: تم نے میرے عباسؑ کو بھی مار ڈالا، تم نے میرے علی اکبرؑ کو بھی مار ڈالا، ارے تم نے میرے قاسمؑ کو بھی مار ڈالا، تم نے میرے علی اصغرؑ کو بھی نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ آسمان پر نظر گئی، کہا:

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

تلوار کو نیام میں رکھا، آہستہ آہستہ چلتے رہے، ایک جگہ آئے، چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیرنا شروع کیا۔ کوئی پتھر مارتا تھا، کوئی نیزہ مارتا تھا، کوئی تلوار مارتا تھا۔ حسینؑ پر حملہ شروع ہو گیا، اب گھوڑے پر ڈگمگانے لگے، ایک تیر پیشانی پر لگا، ایک تیر سینۂ اقدس پر لگا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ سنان نیزہ لایا، پہلوئے مبارک پر نیزہ مارا، حسینؑ گھوڑے سے زمین پر، سیدہؑ کا لال زمین پر آیا وامحمداہ، واعلیاہ، واحسیناہ۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

ادارہ منہاج الصالحین لاہور